عمیق مشاہدہ اور سنجیدہ فکر کے حامل قلم کار مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی
کے اداریوں اور مضامین کا مجموعہ
فکر انگیز تحریریں
مرتب
توفیق احسن برکاتی
ناشر
ادارہ معارف اسلامی ممبئی

عمیق مشاہدہ اور سنجیدہ فکر کے حامل قلم کار **مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی** کے اداریوں اور مضامین کا مجموعہ

فکر انگیز تحریریں

مرتب:
توفیق احسنؔ برکاتی
Mob:09819433765

ناشر:
ادارہ معارف اسلامی، ممبئی

کتاب : فکر انگیز تحریریں
مصنف : مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی
مرتب : توفیق احسنؔ برکاتی (ممبئی)
حروف ساز: مولانا محمد ارشاد نجمی (ممبئی)
صفحات : ایک سو چوراسی (۱۸۴)
اشاعت : سالانہ سنی اجتماع نومبر ۲۰۱۴ء
ناشر : ادارہ معارف اسلامی، ممبئی
قیمت :

ملنے کا پتہ:

IDARA MAARIFE ISLAMI

Add:Fine Mansion 1st floor, 132 kambekar street,
Mumbai - 400 003

حسان الہند سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ

کے

نام

مشمولات

گوشۂ مضامین

☆☆☆

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد!

راقم نے اپنے ایک تبصرے میں لکھا تھا:

’’ اداریہ نویسی بذات خود ایک آرٹ ہے، ایک کامیاب مدیر اپنی ادارتی تحریر میں جہاں حالاتِ زمانہ کی بھرپور عکاسی کرتا ہے وہیں اس کے مقتضیات سے بھی بحث کرتا ہے، وہ تاریخی حقائق کے اجالے میں قوموں کو ان کے تابناک ماضی کے احوال سے باخبر کرتا ہے اور اس کی روشنی میں عظمت رفتہ کی بازیابی کی فکر عطا کرتا ہے، ساتھ ہی پیش آمدہ چیلنجز سے مقابلہ کرنے کا ذہن دیتا ہے، کبھی اپنے تجربات و مشاہدات میں اوروں کو شریک کرتا ہے تو کبھی ملت کی تعلیمی زبوں حالی، معاشی پس ماندگی اور اقتصادی کمزوری کو نشان زد کر کے اصلاح احوال کا پیغام دیتا ہے۔ اس کی فکر انگیز تحریروں میں مذہب وملت کی صلاح وفلاح کے ساتھ زبان و بیان کی اصلاح کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے جو مذہب کی خدمت کی علامت بنتا ہے اور ادب کا اظہاریہ بھی، وہ اپنے قلم کی طاقت سے قوموں کے رجحانات کا رخ بھی موڑ سکتا ہے اور ذرا سی لغزش ہوئی تو حالات زیروزبر بھی ہو سکتے ہیں۔ مجلّاتی صحافت اخباری صحافت کے بالمقابل زیادہ سنجیدہ، دوررس، اور فکر وعمل کے اوصاف سمیٹے ہوئے ہے، اس میں تفکر وتدبر اور معاملہ فہمی کے رموز زیادہ موجود رہا کرتے ہیں اس لیے کہ اس کی اشاعت کا دورانیہ کم سے کم پندرہ یوم تو ہوتا ہی ہے۔‘‘

(ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۴ء ص: ۵۰)

ارباب دانش نے اداریے کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں اور اس کی شرائط ولوازمات سے بحث کی ہے۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی نے اداریہ نویسی پر باقاعدہ ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے، اسی کتاب سے دو مفکرین کی آرا درج ذیل ہیں۔ سرجیمز بیری لکھتا ہے:

’’اداریہ رائے کو متاثر یا قاری کو محظوظ کرنے کے لیے حقائق اور نقطہ نظر کو مختصر، منطقی اور خوش

گوارا انداز میں پیش کرنے کا نام ہے۔ اسے خبروں کی ایسی توجہ قرار دیا جا سکتا ہے جس سے عام قاری کسی خاص خبر کو واضح طور پر سمجھ سکے۔"

(ڈاکٹر مسکین علی حجازی، اداریہ نویسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء ص: ۲۰)

ماڈرن جرنلزم کے مصنف کارل جی ملیر نے لکھا ہے:

"اداریہ اس مضمون کو کہتے ہیں جو کسی ہنگامی موضوع پر لکھا گیا ہو اور جس میں قاری کی سوچ ایسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو جو مضمون نگار کے خیال میں صحیح راہ ہو۔ اداریہ نویس قاری کو اپنے نقطہ نظر سے متفق کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی باتیں لکھتا ہے جس سے قاری قائل ہو جائے اور موافق ردعمل ظاہر کرے۔ اداریہ نویس مختلف ترغیبی طریقوں سے کام لے کر قاری کے جذبات و احساسات کو جائز طریقے پر متاثر کرتا ہے۔" (مصدر سابق، ص: ۲۱)

اداریہ کسی بھی اخبار یا جریدے کا ضمیر ہوا کرتا ہے، اس میں اخبار یا رسالے کے نظریات کی ترجمانی ہوتی ہے، اداریے میں زیادہ تر حالات حاضرہ سے بحث کی جاتی ہے، اداریہ نویس اپنا سمجھا ہوا نظریہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے، روز مرہ زندگی کے واقعات پر اداریے کی حیثیت ایک شفاف آئینے کی ہوتی ہے، جس میں حقائق کو بیان کر کے درست نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اداریہ نویسی بہت بڑی ذمہ داری اور انتہائی دقت طلب کام ہے۔

اردو دنیا کا مشہور جریدہ سہ ماہی اردو بک ریویو، نئی دہلی کے مدیر محمد عارف اقبال لکھتے ہیں:

"اداریہ نگاری در حقیقت حالات کی نبض پر انگلی رکھنے کے مترادف ہے اور اداریہ نگار ایسا نباض ہوتا ہے جو وقت کے دھارے کی سمت کو جانتا ہے، وہ شر اور خیر کے تمام اجزا سے اس طرح واقف ہوتا ہے جس طرح ایک عام انسان دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں تمیز کرتا ہے۔ اداریہ نگار شر کے اندر داخل خیر اور خیر میں شر کے اجزا کو بہ خوبی محسوس کرتا ہے۔" (ڈاکٹر غضنفر اقبال، اردو بک ریویو کے اداریے اور تجزیے، کاغذ پبلشرز، گلبرگہ، ۲۰۰۶ء ص: ۱۴)

معروف قلم کار عبدالحئ لکھتے ہیں:

"اداریہ نگاری اور خاص طور سے مجلّات کی اداریہ نگاری ایک اہم اور مشکل فریضہ ہے، اسے بہتر طور پر وہی انجام دے سکتا ہے جو مجلّات میں کافی عرصے سے کام کر رہا ہو، یا جس کے پاس عمیق

مشاہدہ ہواور جسے حق و باطل، خیر وشر کی تمیز ہو۔'' (عبدالحئی، مضمون: اخبارات ورسائل کی اداریہ نویسی، مشمولہ اردو میڈیا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء ص:۹۵)

عبدالحئی نے اپنے اسی مقالے میں اردو صحافت میں اداریوں کی تاریخ اوراس کے ارتقا پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحافت کے شروعاتی دور میں باضابطہ اداریے کے طور پر کوئی مضمون شائع نہیں ہوتا تھا، البتہ کبھی کبھی مختصر تبصراتی تحریر لکھی جاتی تھی۔ اردو اخبارات کے اداریے اور رسائل و جرائد کے اداریے میں یک گونہ فرق ہوتا ہے، اردو اخبارات کے اداریوں میں قومی مسائل زیادہ زیر بحث آتے ہیں، اس کے برعکس رسائل کے اداریوں میں مختلف موضوعات جیسے ادبی، مذہبی، ملی، تجارتی، فلمی، وغیرہ پر اداریے تحریر کیے جاتے ہیں۔ اردو اخبار کے اداریے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں: ''اردو اخبار میں جو اداریے چھپتے ہیں ان میں ایک طرف قومی مسائل پر بحث ہوتی تھی، دوسری طرف عوام کی روزمرہ شکایات اور خواہشات منظر عام پر لائی جاتی تھیں۔'' (عبدالسلام خورشید، صحافت پاک وہند میں، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء ص:۱۹۲)

مذہبی رسائل، ادبی مجلّات، دستاویزی نوعیت کے جرائد اپنا خاص اصولی نظریہ رکھتے ہیں، ان میں انھیں موضوعات اور نظریات کی تفہیم پر اداریے لکھے جاتے ہیں جو اس نظریے سے میل کھاتے ہیں۔ تہذیب الاخلاق، الہلال، زمیندار، کامریڈ، ہمدرد، اردوے معلّٰی کے اداریے، معارف، اعظم گڑھ کے شذرات، الفقیہ امرتسر، سواداعظم مرادآباد، المیزان ممبئی ہفت روزہ تاجدار، ممبئی، دبدبہ سکندری، رام پور، تحفہ حنفیہ، پٹنہ، ماہ نامہ اشرفی، کچھوچھہ شریف، جام نور اور جام کوثر، کلکتہ، حجاز جدید، دہلی، اشرفیہ مبارک پور اور کنزالایمان دہلی وغیرہا رسائل وجرائد کے اداریے آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ کئی اداریہ نویسوں کے اداریے کتابی شکل میں بھی چھپ چکے ہیں۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری کے اداریوں کا مجموعہ ''فغان درویش'' (مطبوعہ: جام نور دہلی)، رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی کے اداریوں کا مجموعہ ''نقوش فکر'' (مطبوعہ: اسلامک پبلشرز، دہلی) اور مولانا فروغ احمد اعظمی کا ''نشان منزل'' (جمدا شاہی، بستی) ہمارے مطالعے کی زینت بن چکا ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

سہ ماہی سنی دعوت اسلامی، ممبئی تحریک سنی دعوت اسلامی کا علمی، دینی اور دعوتی ترجمان ہے

جسے بانی جریدہ حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی نے مجلّاتی صحافت کے ذریعہ فروغ مذہب حق اوراشاعت سنیت کی غرض سے جاری کیا تھا۔جنوری فروری مارچ ۲۰۰۵ءاس کا پہلا شمارہ منظر عام پرآیااور مسلسل چھ برسوں تک بلا ناغہ اپنی کامیاب اشاعتیں پیش کرتا رہا، مدیران مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی اور مولانا مظہر حسین علیمی صاحبان کی مشترکہ ادارتی کاوشوں سے ہرشمارہ اچھے مضامین اور فکرانگیز مقالات کی کہکشاں سے جگمگاتا رہا۔ اداریے بھی مناسب اورضروری موضوعات پر لکھے جاتے رہے۔ دسمبر ۲۰۱۰ءتک اس کے کل ۲۴ شمارے شائع ہوئے۔فکرانگیزتحریریں بھی تھیں،شرعی احکام ومسائل بھی تھے،علمی،لسانی،تاریخی،سوانحی،اورتحقیقی نوعیت کےمضامین بھی تھے،دینی ودعوتی خبریں بھی تھیں، مدحتیں اور منقبتیں بھی تھیں، مدیران کی کڑی محنتوں کے نتیجے میں اس جریدے کا جنوری فروری مارچ ۲۰۰۹ءکا شمارہ دعوت نمبر کے روپ میں دس ابواب کو محیط ۴۴۴ صفحات میں شائع ہوا،جواپنے موضوع پر بالکل انوکھانمبر ماناگیاہے۔

راقم کی گزارش پر جامعہ غوثیہ نجم العلوم،ممبئ میں زیر تعلیم درجۂ فضیلت کے تین طلبہ حافظ محمد سفیان نوری، حافظ محمد مزمل حسین نوری اور حافظ محمد باقر نظامی نے سہ ماہی سنی دعوت اسلامی کے کل چوبیس شماروں کا اشاریہ ابجدی ترتیب میں مرتب کیا تھا، جوشمارہ نومبر۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔اس اشاریے میں ۲۴/اداریوں کے علاوہ ۲۵ حروف تہجی کے تحت مجموعی طور پر مضامین،ضروری مباحث اورمسائل شرعیہ وغیرہا کی تعداد ۷۶۴ ہے۔جب اشاریہ سازی کا یہ کام جاری تھاتبھی ذہن میں یہ خیال گزرا کہ کیوں نہ ان چوبیس اداریوں کو یکجا کر کے کتابی شکل میں مرتب کردیا جائے،اس طرح یہ علمی وقلمی کام دستاویزی شکل میں محفوظ ہو جائے گا اورایک زمانے تک دنیااس سے استفادہ کرتی رہے گی۔اس خیال کی تحسین بانیِ جریدہ حضرت مولانا محمد شاکرنوری،مولانا مظہر حسین علیمی اورخود اداریہ نویس مفتی محمد زبیر برکاتی نے کی تو حوصلہ اور پختہ ہو گیا۔لہٰذا اب ان اداریوں اورمزید تین مضامین کا یہ مجموعہ ''فکرانگیزتحریریں'' کےعنوان سےآپ کےزیرمطالعہ ہے۔

اداریہ تحریر کرنے میں اداریہ نگار نے کافی فکرانگیزاسلوب اختیار کیاہے، جوحقائق پیش کیے ہیں وہ انتہائی چشم کشا ہیں،بحثوں سے جونتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ ذہن وفکرکواپیل کرتے ہیں۔ان اداریوں کےعنوانات بھی اداریہ نویس کی عمیق فکراور گہرے مشاہدے کا پتہ دیتے ہیں۔موضوعات

میں بھی اصلاح عقائد کے ساتھ اصلاح عمل اور قوم مسلم کی صلاح وفلاح ،ان کی تعلیمی وتجارتی اصلاح اور معاشرتی ارتقا کے عناصر شامل ہیں ۔جنوری فروری مارچ ۲۰۰۵ء کا پہلا اداریہ ''نقاب رخ الٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے'' امت مسلمہ کی نوجوان صلاحیتوں کے درست استعمال اور نوجوانوں کو جہاد زندگانی میں اپنے مذہب وملت کے لیے کچھ کر گزرنے کے عظیم جذبوں پر انگیز کرتا ہے،اسی طرح آخری اداریہ ''سفر حج اور وہابیوں کا فریب'' سفر حج میں زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ منورہ کی حاضری کو لایعنی قرار دینے اور اسے غلط نگاہ سے دیکھنے کی فریب کاریوں کو اجاگر کرتا ہے اور دلائل کی روشنی میں زیارت مسجد نبوی اور زیارت روضہ پاک کی اہمیت و فضیلت کو واضح کر کے اطمینان بخش نتیجہ پیش کرتا ہے۔اسی طرح دیگر اداریوں کے عنوانات ان کے قیمتی موضوعات کی اہمیت اور وقعت کو نمایاں کرتے ہیں اور فکر انگیزی قدر مشترک کے بہ طور تقریباً سب میں موجود ہے، اس لیے انھیں ''فکر انگیز تحریریں'' کا عنوان دینے میں راقم حق بہ جانب ہے۔

اداریہ نگار کے احوال:

اداریہ نگار فاضل گرامی حضرت مولانا مفتی محمد زبیر قادری برکاتی مصباحی ایک باصلاحیت عالم دین، ماہر خطیب ، جواں فکر قلم کار ، کامیاب استاد، مثالی امام اور مشاق فتویٰ نویس ہیں ۔فی الحال غوثیہ مسجد عبد الغفور خان اسٹریٹ ، کرلا ، ممبئی میں امامت وخطابت کے ساتھ اسی مسجد سے ملحق دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن میں شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہیں، مزید ممبئی ومضافات اور دیگر شہروں ،صوبوں میں تقریری دورے کرتے ہیں ، مدرسے کے دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کرتے ہیں،شرعی سوال وجواب کی دینی مجالس میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ایک عرصے تک ممبئی سینٹرل میں تفسیر قرآن کا درس بھی دیتے رہے ہیں، غالباً اب یہ سلسلہ موقوف ہے۔راقم کی گزارش پر آپ نے اپنی ایک مختصر سوانحی تحریر لکھ کر عنایت فرمائی ،ہم ان کے شکریے کے ساتھ یہاں شامل کرتے ہیں۔

نام: محمد زبیر احمد مصباحی برکاتی

ولدیت: مولانا محمد ابن حسن رضوی مصباحی

تاریخ پیدائش: یکم جون ۱۹۷۴ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

جنوبی ہند کی مشہور ریاست کیرلا (مالابار) میں پورا خاندان آباد ہے۔خاندان کے تقریباً

اکثر لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔آبا واجداد میں سات پشتوں تک جلیل القدر علما رہے۔جنہوں نے پوری ریاست میں علم دین کی نشر واشاعت بھی کی اور کافی دینی خدمات انجام دیں۔انہیں میں سے ایک جیّد عالم دین حضرت علامہ عمر شالیاتی جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قدس سرہ کے ہم عصر تھے اور موقف وفروغ سنت میں اعلیٰ حضرت کے ہم فکر تھے۔خط وکتابت کے ذریعے گہرا رابطہ رہا۔

دادا جان مولانا محمد حسن مصلیار جب کرناٹک کے مشہور شہر ہبلی منتقل ہوئے تو یہیں پر دینی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنے خدا داد علم وعمل کے ذریعے ہزاروں افراد کو فیض پہنچایا۔آپ کے بڑے صاحبزادے محمد ابن حسن کو انھوں نے اپنے ایک ہم عصر بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد تقی الدین رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا،آپ نے انہیں اپنے قریب رکھ کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں اس کے بعد اپنے ساتھ راجستھان کے مشہور شہر کیتھون ضلع کوٹہ لے گئے جہاں پر آپ نے ایک عظیم ادارہ دارالعلوم رضویہ قائم فرمایا،اس میں جب تک رہے،والد ماجد کو ساتھ رکھا،علم وعمل سے آراستہ کرتے رہے۔پھر کسی سبب سے جب آپ وہاں سے اپنے وطن واپس تشریف لائے تو میرے والد کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بھیج دیا،آپ نے وہیں رہ کر مکمل تعلیم حاصل کی اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا خوب فیض پایا۔جنوبی ہند سے الجامعۃ الاشرفیہ جانے والوں میں آپ پہلے شخص ہیں اور ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب تک درس نظامی کی تکمیل نہ ہوئی گھر واپس نہ آئے۔دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی اشرفیہ سے گھر واپس پہنچے۔

والد ماجد مولانا محمد ابن حسن رضوی مصباحی نے ریاست کرناٹک ہی کو دینی خدمات کے لیے پسند فرمایا،کرناٹک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔کرناٹک میں ہبلی شہر کی مشہور درس گاہ ’’مدنی عربک کالج‘‘ کے اصل بانی مبانی آپ ہی ہیں،جس کے لیے آپ کی ناقابل قربانیاں ہیں،پورے شہر والے اس بات کے معترف ہیں۔مشربی اختلافات کے سبب آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔میری ابتدائی تعلیم وتربیت والد ماجد کے پاس ہوئی،قرآن ناظرہ ختم کرنے کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتابیں والد صاحب نے پڑھائیں۔اسکول کی تعلیم بھی جاری رہی۔آٹھویں جماعت تک اسکول بھی پڑھتا رہا اور مدرسہ میں بھی پڑھتا رہا۔مدنی عربک کالج ہبلی میں دو

سال رہا، جہاں ثانیہ تک کی کتابیں مکمل پڑھیں، اس کے بعد سنّی دارالعلوم محمدیہ ممبئی میں دو سال رابعہ جماعت تک رہا، اس کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہنچا، جہاں جماعت رابعہ میں ہی داخلہ ہوا اور درجہ فضیلت تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں فضیلت کی دستار ہوئی، پھر اس کے بعد مزید حصول علم کا شوق ہوا، والد ماجد سے اجازت لے کر درجہ تخصص میں داخلہ لے لیا۔ باضابطہ دو سال درجہ تخصص میں تعلیم حاصل کی، اس طرح ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں درجہ تخصص سے دستار و سند فراغت حاصل کی۔ دوران تعلیم الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات میں شرکت کرتا رہا، جس میں منشی، منشی کامل، عالم اور جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کے امتحانات دیے اور اعلیٰ ڈویژن کی سندیں حاصل کیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس ہوا، اپنے قرب و جوار میں کرناٹک کی ایک قدیم اور مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم حبیبہ قادریہ بنکاپور میں بحیثیت صدر المدرسین تقرری ہوئی۔ اس ادارے میں صرف ایک سال تدریس و افتا کی خدمات انجام دیں، اسی دوران پیرومرشد پیر طریقت حضور سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ کے حکم پر ممبئی چلا آیا، آپ کے بڑے شہزادے حضرت مولانا سید سبطین حیدر قبلہ کی ابتدائی تعلیم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں ہو چکی تھی مگر کسی سبب سے وہ بمبئی واپس تشریف لائے، درس نظامی کی تکمیل کے لیے حضرت نے اس فقیر کو خدمت کا موقع عطا فرمایا، آپ کی تعلیم جب مکمل ہوئی تو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں آخری امتحان دے کر سند فراغت حاصل کی۔

ادھر ممبئی میں قیام کے دوران امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری قبلہ سے ملاقاتیں رہیں۔ آپ نے اپنے ادارہ دارالعلوم غوثیہ باندرہ میں تدریس کی دعوت دی۔ تقریباً دس سال (۲۰۰۰ء تا ۲۰۱۰ء) تک اسی دارالعلوم غوثیہ میں تدریس و افتا کی خدمات انجام دیتا رہا۔ اور ۲۰۰۰ء ہی سے کرلا ممبئی کی ایک قدیم ترین مشہور غوثیہ جامع مسجد میں امامت و خطابت کے منصب پر فائز ہوا۔ منصب امامت یہ ایک ایسا کٹھن راستہ ہے جس پر احتیاط سے چلنا پڑتا ہے، ہر طرح کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے، اسی لیے اس کو بعض حضرات پل صراط بھی کہتے ہیں مگر جس پر اللہ عزوجل کا خصوصی فضل و کرم شامل حال ہو، اس کے لیے سارے معاملات آسان ہو جاتے ہیں، مجھ پر تو

اس چودہ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے طوفان آئے، آندھیاں چلیں، بجلیاں گریں، مگر اللہ رب العزت کا فضل وکرم، پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرعنایت اور والدین و بزرگان دین کی دعاؤں کے سہارے حفاظت ہوتی رہی اور میں دامن بچا کر نکلنے میں کامیاب رہا۔ آگے اللہ تعالیٰ ہی محافظ ونگہبان ہے۔

مجھے شروع ہی سے دینی علوم سیکھنے کے ساتھ ساتھ دینی کاموں میں محنت کرنے کا جذبہ رہا، اسی لیے فراغت کے بعد سے ہی درس وتدریس میں بھی محنت کرتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ دینی جلسوں میں بغرض خطاب جاتا رہا، ۲۰۰۱ء سے لے کر ۲۰۱۰ء تک دو اداروں میں پڑھاتا رہا۔ دارالعلوم غوثیہ نجم العلوم میں صبح آٹھ سے بارہ تک پڑھاتا، پھر دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا میں بعد نماز ظہر درس نظامی کی چند کتابیں پڑھاتا رہا۔ اسی دوران حضرت امیر سنی دعوت اسلامی سے کہہ کر تحریک سنی دعوت اسلامی کی جانب سے ایک رسالہ جاری کرنے کا ارادہ ہوا، جسے باہمی مشورہ سے منظور کرلیا گیا۔ پہلے اس کو سہ ماہی رکھا گیا، اور اس کی ادارت کی ذمہ داری بھی مجھ احقر وکم علم کو سونپی گئی۔ کثیر مصروفیات اور عدیم الفرصتی کے باوجود بفضلہ تعالیٰ چھ سال تک یہ کام بہ حسن وخوبی انجام دیتا رہا۔ مگر جب تدریس وافتا اور دیگر دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ گھریلو مصروفیات بھی زیادہ بڑھ گئیں اور مضمون نگاری کے لیے بالکل وقت نہ رہا تو میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر ہمارے کرم فرما محبّ گرامی ہردل عزیز ساتھی مفتی محمد توفیق احسؔن برکاتی مصباحی صاحب نے ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور ادارت کی مستقل ذمہ داری سنبھالی۔ جو آج ایک معیاری ماہنامہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ادھر میری توجہ خطابت کی طرف زیادہ مرکوز ہوگئی، خصوصاً ممبئی اور بیرون ممبئی میں منعقد ہونے والے تحریک کے بڑے اجتماعات میں شرکت ہوتی رہی، کہیں پر تقریر وخطابت کی ذمہ داری رہی، کہیں پر بزم سوالات میں جوابات دینے کی ذمہ داری۔ یہ بھی اللہ رب العزت کا فضل عظیم ہے کہ جہاں بھی گئے بھرپور کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ دونوں دارالعلوم میں افتا کی ذمہ داری میرے ہی سر رہی، اس میں کبھی ایسی کوتاہی نہ کی کہ مستفتی کو زیادہ انتظار کرنا پڑے، فوری جواب پا کر اپنے مسئلے کا حل صحیح طریقہ سے کرلیں۔ تادم تحریر تقریباً ۵۰۰ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، تقریباً پچاس فارغ التحصیل تلامذہ دینی خدمات پر مامور ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں عمرہ کا شرف حاصل ہوا، پھر ۲۰۱۰ء میں اہل خانہ کے ساتھ

حرمین شریفین کی زیارت اورحج فرض کی ادائیگی کا شرف حاصل ہوا۔

ہندوستان کی تاریخی مشہور روحانی خانقاہ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے قلبی لگاؤ اور تعلق تو پہلے ہی سے رہا۔الجامعۃ الاشرفیہ میں تعلیم کے دوران مارہرہ مطہرہ حاضر ہوکر پیر طریقت گل گلزار برکاتیت شہزادہ حضور سید العلماء علیہ الرحمہ حضور سید ملّت علامہ سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب قبلہ نظمی قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف سے شرف بیعت حاصل کیا۔انہیں کی دعاؤں کی برکتوں سے ہر میدان میں کامیابی اور ترقی ملتی رہی۔حضرت بہت زیادہ چاہتے تھے،خدمات کو سراہتے تھے اور دعاوں سے نوازتے بھی تھے۔حضرت نے فقیر کو اپنی خلافت سے نوازا،اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ قاسمیہ کی سند اجازت عطا فرمائی اور اللہ کے بندوں کو داخل سلسلہ کرنے کی تاکید فرماتے رہے۔مگر میں نے صرف اس بنیاد پر کہ ابھی مجھ سے بہتر مرشدان عظام بالخصوص حضرت کے ولی عہد و سجادہ نشین حضرت علامہ سید سبطین حیدر قادری برکاتی مدظلہ العالی موجود ہیں،کسی کو مرید نہیں بنایا،بلکہ صاحب سجادہ کے پاس بھیج کر داخل سلسلہ کروادیتا ہوں۔مجھے اپنے علم یا محنتوں اور کاوشوں پر نہ ناز ہے نہ فخر ہے بلکہ صرف اور صرف ایک آل رسول چشم و چراغِ خاندان برکات نور چشم سید آل رسول کی خدمت پر ناز ہے اور اسی خدمت کو میں اپنے لیے آخرت میں ذریعہ نجات سمجھتا ہوں،**ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشا**،اللہ عزوجل مجھے آخری دم تک ان کے دامن سے وابستہ رکھے اور قیامت میں آل رسول کے دامن کا سایہ عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ افضل الصلوۃ واکمل التسلیم.

اختتامیہ: اخیر میں ہم اپنے قارئین سے یہ گزارش کریں گے کہ دوران مطالعہ اگر انھیں اس کتاب میں کوئی شرعی،علمی ولسانی غلطی نظر آئے تو تنقید کا بازار گرم کرنے سے قبل ہی ہمیں مطلع کر دیں،ہم ان کے شکریے کے ساتھ لازمی اصلاح قبول کرلیں گے۔اللہ عزوجل فاضل مصنف کی ان تحریری کاوشوں کو قبولیت کا شرف بخشے۔آمین

توفیق احسنؔ برکاتی،نئی ممبئی

۱۳رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ/ ۷رنومبر ۲۰۱۴ء شب شنبہ

نقاب رخ الٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے

تاریخِ عالم کی لوحِ جبیں پر آج بھی منقّش ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور احقاقِ حق کی خاطر باطل کا سر قلم کرنے میں اہلِ ایمان نوجوانوں کا کلیدی رول رہا ہے۔یہی نوجوان ہیں جو عہدِ نبوی میں وقت کے فراعنہ و نمارده کے ظلم کی پروا کیے بغیر محسن انسانیت کی زیرِ قیادت صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا خونِ جگر دے کر صدائے حق بلند کرتے رہے۔کرۂ ارض پر حق و انصاف کی پاسبانی اور جہالت و غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے ہر دور میں ان کی فیصلہ کن حیثیت مسلم رہی۔جن کے سامنے طاغوتی قوتیں سسکتی ہوئی نظر آتی تھیں ۔یہ نوجوان تاریخ میں کبھی خالد بن ولید بن کر ابھرے جنہوں نے زمین کے بے شمار خطوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں اور ظالموں کے پنجوں سے آزاد کر کے بقعۂ نور اور امن وسکون کی جنت بنا دیا تھا۔کبھی انھیں نوجوانوں نے طارق بن زیاد کی شکل میں اسپین کی وادیوں میں گلشن اسلام کو سجایا تھا،کبھی قتادہ ابن مکرمہ کی شکل میں افریقہ کے صحراؤں میں پرچمِ اسلام کو بلند کیا تھا،کبھی محمد بن قاسم اور محمود غزنوی بن کر ابھرا،تو حدودِ عرب سے تجاوز کر کے سرزمین ہند تک اسلام کی خوشبو کو پھیلا دیا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر ظالمانہ و مشرکانہ تمدن کے استیصال کے لیے قوم و ملت کے نوجوانوں کے اندر دعوت و جہاد کی روح پھونکنے کا سہرا بھی نوجوان محمد بن قاسم کے سر بندھتا ہے۔اور ٹیپو سلطان شہید نے قوم و ملت کی حفاظت کی خاطر انگریزوں کے خلاف جہاد کر کے جام شہادت نوش فرما کر قربانیوں کی قندیل روشن کی تھی اور بھارت کو مغرور برطانوی استعمار کے ظالمانہ پنجوں سے آزاد کرانے والے وہ مسلم جیالے نوجوان ہی تھے جن کے جذبۂ جہاد کے سبب برِّ صغیر میں برطانوی استعمار کا خاتمہ ہوا۔

الغرض کرۂ ارض پر جب بھی کوئی عظیم انقلاب برپا ہوا تو نوجوانوں سے،اور تاریخ شاہد عدل ہے کہ ملت کے نوجوان جب بیدار ہوتے ہیں تو تمام طاغوتی قوتیں بے بس ہو کر ان کے قدموں میں سسکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔آج بھی مذاہبِ باطلہ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلم نوجوانوں کے

اندر ایک ایسا جوہر موجود ہے جو بھڑک اٹھنے پر دنیا کے کفر و شرک کے تمام طلسمی کارخانوں کو چشمِ زدن میں خاکستر کر سکتا ہے۔لیکن جب نوجوان ہی سو جائے اور مذہبی شعور اور ولولۂ جہاد اس سے مفقود ہو جائے تو پھر پوری ملت ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں ڈھکیل دی جاتی ہے معاشی اور تعلیمی میدان میں اسے مفلوج کر دیا جاتا ہے۔

مسلم نوجوانوں کی حالت اور ان کا مستقبل: بھارت کی سرزمین پر مسلم نوجوانوں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ان کا مستقبل دن بہ دن اس قدر بھیانک ،مشکوک و مایوس کن ہوتا جا رہا ہے کہ ایک حساس دردمند مسلمان جب اس کا احساس کرتا ہے تو اس کا کلیجہ منھ کو آتا ہے دل کانپ جاتا ہے۔آج دنیا کی رنگینیاں ،دلفریبیاں ،اور دل آویزیاں نوجوانوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کر چکی ہیں اور خواہشات نفسانیہ کی پیروی میں شراب و کباب اور طاؤس ورباب کی محفلیں منعقد کرنا نیز قتل وخون ریزی کے ذریعہ فضاے انسانی کو مکدر کرنا ان کی زندگی کا اہم مشغلہ بن گیا ہے،تمام اخلاقی بے راہ رویاں، قحبہ خانوں کی گرم بازاری ،مے خانوں کی رونق انہیں کے دم خم سے ہے۔ظلم واستبداد اور آپسی اختلاف وانتشار سے ان کا معاشرہ زہر آلود ہو چکا ہے دولت دنیا کی حرص وآرزو میں ایمان وعمل کا جنازہ نکال کر اپنے ذاتی مفادات کی خاطر پوری ملت کا سودا کرنے پر آمادہ ہیں اور حال یہ ہے کہ دشمن قومیں ان کی ذلت ورسوائی اور تباہی وبربادی کے بھیانک منصوبے تیار کر چکی ہیں بلکہ ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بڑی تیزی سے جاری ہے، فرقہ پرست طاقتیں ہندوستان کو بھگوا رنگ میں رنگ کر سرزمین ہند سے مسلمانوں کا صفایا کرنا چاہتی ہیں اور مسلمان ہیں کہ سیاست کے بازی گروں کے جال میں پھنس کر سیاست کے دو پاٹوں میں پس رہے ہیں اور اپنے دینی وملی توانائیوں کو ضائع کر کے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔آج مسلم نوجوانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اب تک انہوں نے اپنی زندگی کا خطوط عمل Line of Action متعین نہیں کیا اور یہ امر مسلم ہے کہ جب قومیں فکری انحطاط وزوال کا شکار ہو جاتی ہیں، تو پیچیدہ افکار کا شکار ہو کر ذلت ونکبت کے عمیق غار میں گرتی چلی جاتی ہیں ان کا کوئی مددگار وپرسان حال نہیں ہوتا اسی بھیانک منظر کا احساس کرتے ہوئے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے اپنی قوم کو بیدار کرنے کی لیے یہ صدا بلند کی تھی:

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ملت کے نوجوان زندگی کے خطوطِ عمل متعین کرلیں تو یقیناً وہ ایک پائیدار اور روشن مستقبل سے ہمکنار ہوکر اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ حالات ومصائب اور مشکلات زمانہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینا بہانہ بازی اور عذر لنگ سے بزدلی کا مظاہرہ کرنا یہ امت مسلمہ کے غیور نوجوانوں کا کام نہیں ہے یہ تو اپنی ماں اور بہنوں کی عزت وآبرو کو برسر بازار نیلام کرنے والی ایک بزدل وذلیل قوم کا کام ہے جس کے پاس کوئی تابناک مستقبل اور کوئی ٹھوس و پائیدار منصوبہ نہیں ہوتا ہے۔

نوجوانوں سے: ہمارا ایک پروقار چہرہ ہے، ہمارے سامنے ایک روشن مستقبل ہے، ہمارا اپنا دعوتی مشن بھی ہے اور رفاہ عام کے بہت سارے کام ہیں۔ ہمیں قومی، ملکی، اور مذہبی ترقیات اور اس کی نشر واشاعت کے لیے مؤثر و پائیدار منصوبے اور لائحہ عمل تیار کرنا ہے۔ عقائد اہل سنت کی روشنی میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر اتحاد واستحکام پیدا کر کے تحقیق وتجسس کے جذبے کو مہمیز کرنا ہے، سیاسی وملی شعور کو بیدار کر کے قوم کو اپنے اہم واعلیٰ مقصد کے لیے ذہنی اور عملی طور پر تیار کرنا ہے۔ تاکہ ہماری پوری قوم مغربی تہذیب وثقافت کی یلغار سے محفوظ ہوجائے اور دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن کر کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔

ملت کے لیے لمحۂ فکریہ: ملک کے طول وعرض میں بے شمار مدارس دینیہ وادارے چل رہے ہیں جہاں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں عالم دین، حافظ قرآن اور مفتیان عظام فارغ ہورہے ہیں جو قوم کی بنیادی ضروریات کو اپنی استطاعت کے مطابق پورا بھی کررہے ہیں اور کسی حد تک اپنے دعوتی مشن میں کامیاب بھی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ایک سوال ہمارے ذہنوں میں کانٹا بن کر ابھرتا ہے کہ کیا اب تک بھارت کی اس سرزمین پر ملت اسلامیہ معاشی، تعلیمی اور سیاسی میدان میں عزت وآبرو کی زندگی گزارنے کے قابل بن سکی ہے؟ کیا آج ہماری ملت کو ڈاکٹر، انجینیئر اور جدید ٹیکنالوجی کے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہم باطل قوموں کے سامنے آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لیے سائنس ریاضیات اور معاشیات کی تعلیم سے مستغنی ہیں؟ ہرگز نہیں، تمہیں ہر دانشور درد

مند مسلمان کے دل سے یہی جواب ملے گا کہ آج ہماری قوم کو ماہر ڈاکٹر اور انجینئر وں کی بھی ضرورت ہے، صحیح اسلامی عقائد ونظریات کے حامل سائنس دانوں کی بھی ضرورت ہے، عصری علوم اور جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں ہمیں بے پناہ محنت ومشقت کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنے ملک کی تعمیر وترقی میں دوسری قوموں سے ایک قدم آگے ہی رہیں۔لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج عیسائی مشنریاں تعلیم کے میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئی ہیں کہ ڈھائی فیصد سے کم آبادی ہونے کے باوجود اٹھانوے فیصد لوگوں پر حکمرانی کر رہی ہیں۔اور ہمارے بچے ان کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ بلکہ طُرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو ان کے کالجوں میں ایڈمیشن کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں، پھر بھی اکثر انہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا جاتا ہے کہ تم مسلمان ہو، تمہارا ایڈمیشن نہیں ہوگا۔اور اگر کہیں داخلہ کی صورت نظر آتی بھی ہے تو لاکھوں روپے رشوت میں دینے پڑتے ہیں۔ نیز ان کی درسگاہوں میں پڑھنے والے ہر اسٹوڈینٹ کو ان کے مذہبی رسوم پر عمل کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔کیا یہ ملت کے سربرآوردہ شخصیتوں کے لیے لمحۂ فکریہ نہیں ہے، ہماری قوم کا اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوسکتا ہے ،کیا ہم اب بھی بیدار نہیں ہوں گے؟ کاش ہم نے ملت اسلامیہ کی دینی وعصری ضرورتوں کا احساس کرکے اس سلسلہ میں مؤثر پیش رفت کی ہوتی تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

آج جب کہ ایک طرف عالمی سطح پر اٹھنے والے الحادی نظریہ (اشتراکیت) کے ساتھ پروان چڑھنے والی فرقہ پرست تنظیمیں،مفسد وتخریب کار اسرائیلی یہودیوں سے ٹریننگ حاصل کر کے بھارت میں آباد مسلمانوں کو دین وسنت سے متنفر کر کے ان کے قلوب واذھان میں اپنے ناپاک اثرات مرتب کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور شیطانی جال میڈیا کے ذریعہ نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑنے کے لیے بے حیائی،حرام کاری،فضول خرچی،عیاشی اور نسلِ انسانی کو برباد کرنے کی ناپاک فلمیں اور ڈرامے پیش کر رہے ہیں تاکہ مسلم نوجوانوں کے اخلاق بگڑ جائیں اور ان کے اندر موجود روحِ جہاد مردہ ہو جائے اور دوسری طرف بنام اسلام گمراہ کن جماعتیں انٹرنیٹ اور ٹی وی چینل کے ذریعہ پوری دنیا میں اپنے باطل عقائد ونظریات کو پیش کر رہے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے خلاف محاذ بنا کر خصوصاً نوجوانوں کے سینوں سے عشقِ مصطفیٰ کی شمع کو بجھانے کی

ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔

ایسے سنگین حالات میں ہماری ذمہ داری کس قدر بڑھ گئی ہے ہم سب کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ہمیں چاہئے کہ اپنے ذاتی اختلافات اور باہمی رسہ کشی کو بالائے طاق رکھ کر ایک مضبوط و منظّم تحریک کے ذریعہ ہر باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادیں۔اعلاءِکلمۃ اللہ اوراحیائے سننِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص وللّٰہیت کے جذبے سے سرشار ہو کر تن من دھن کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔مذہب حق ،مسلک اعلیٰ حضرت کی نورانی مشعل لے کر تعلیمی ،معاشی ،سیاسی ہر میدان میں پوری محنت و جانفشانی کے ساتھ ٹھوس اور پائیدار کام کریں۔انہیں مقاصد کے پیشِ نظر اہل سنت و جماعت کی ترجمان عالمی تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی وجود میں آئی ۔سنی دعوت اسلامی ،مسلک اعلیٰ حضرت کی سچی ترجمان کا نام ہے، جوایک طرف اپنے اندر مذاہبِ باطلہ کے شیطانی منصوبوں کوخاک میں ملانے کی طاقت بھی رکھتی ہے تو دوسری طرف بے حیائی ،حرام کاری ،فضول خرچی ،عیاشی اورنسلِ انسانی کی بربادی کے منصوبوں کا تریاق بھی رکھتی ہے۔بحمدہٖ تعالیٰ یہ تحریک اسلاف کرام رحمہم اللہ کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے اہل سنت و جماعت کے تشخصات وامتیازات کوزندہ وتابندہ رکھنے کے لیے بے پناہ تگ ودَو کر رہی ہے۔عصری تقاضوں کے پیشِ نظر ملت کے نوجوانوں کو مسلکِ حق سے وابستہ کرتے ہوئے عصری علوم کے ہر میدان میں آگے بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

ملت کے غیور نوجوانوں سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ مسلکی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ،مذہب ومسلک کی اشاعت کے لیے بیدار ہو جائیں اورتحریک سنی دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہو جائیں ،یہ تحریک تمہیں آواز دے رہی ہے کہ مصائب وآلام پر آہ وفغاں اورنامساعد حالات کا شکوہ نہ کرو بلکہ اللہ عز وجل اور اس کے حبیب کی رضا کے طالب ہو کر اپنے مذہبی درسگاہوں کے استحکام ،اصلاحِ معاشرہ اوراہل سنت کے تشخصات اورامتیازات کو برقرار رکھنے کی خاطر بیدار ہو جاؤ۔

کیا سحر لائے گی پیغام بیداری شبستاں میں

نقاب رخ الٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء)

روحانیت بمقابلۂ مادیت

عطار ہو ، رومی ہو ، رازی ہو ، یا غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اس کائنات رنگ و بو میں اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں اس بات کا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے عروج و زوال میں اکثر روح و مادہ کے اثرات کارفرما رہے ہیں۔ تاریخ عالم بھی شاہد عدل ہے کہ قوموں کی ترقی و تنزلی کا اکثر و بیشتر دارومدار روحانیت و مادیت پر رہا ہے۔ آیئے اس چیز کو جاننے کی کوشش کریں کہ روحانیت وہ کون سا جوہر ہے جس کی بنیاد پر انسان اوج ثریا کی بلندی کو چھو لیتا ہے اور مادیت وہ کون سا سم قاتل ہے جس کی بنیاد پر انسان ذلت و نکبت کی کھائیوں میں گر کر تباہ ہو جاتا ہے۔

یقیناً روحانیت ہی اصل رونق حیات ہے، اسی کے دم خم سے جسم انسانی میں حرارت ایمانی اور احساس عبودیت ہے، فکر و شعور کی بلندی، تحقیق و ایجاد کی قوت، جس کی بنیاد پر بندۂ مومن قرب معبود کی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے، حریم قدس میں پہنچ کر مشاہدۂ رب کے جلووں میں گم ہو جاتا ہے، دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر معرفت و حقیقت کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کے مبارک اعضا سے رب قدیر و جبار کی قدرتوں کا ظہور ہونے لگتا ہے، اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.** (القرآن) ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ نیز حدیث قدسی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "**لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها لان سئلنی لاعطینه**(مشکوۃ شریف، ص:۱۹۷)

اس کے برخلاف مادہ و مادیت پرستی انسانوں کو حقیقی عروج وارتقا اور فوز آخرت سے بہت دور کر دیتی ہے کیوں کہ وہ دلوں کو حق سے غافل اور مردہ کر دیتی ہے۔تصور عبودیت سے دور کر کے آزاد خیالی اور آزادی کے لالچ تو دے دیتی ہے مگر خواہشات نفسانیہ کی پیروی کے لیے شیطان کا غلام بنا دیتی ہے۔اسی لیے مالک حقیقی خدائے ذوالجلال نے اپنے کلام مقدس میں اس بات کی تنبیہ فرمائی:''وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَاقَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَاوَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا o''اور اس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گذر گیا۔

مادیت کا حامل اپنی کامیابی کے لیے اسباب پر بھروسہ کرتا ہے ۔مگر روحانیت کا حامل خالق اسباب پر بھروسہ کرتا ہے۔وہ مادے پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خالق روح و مادہ پر بھروسہ کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں مادی اسباب و وسائل دم توڑ دیتے ہیں وہیں سے روحانیت اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے پھر ایک عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے۔

بلاشبہہ آج کا یہ دور علم وآگہی ،تحقیق وایجاد اور سائنس کے عروج وارتقا کا دور ہے۔ماہرین سائنس نے تو جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ نت نئے ایجادات کے انبار لگا دیے ہیں،قسم قسم کے آلات کا ایک سیلاب جاری کر دیا ہے۔سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہے ہیں اور چاند پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔مگر اس ظاہری ترقی کے باوجود راحت وآسائش کی ساری چیزیں مہیا کر لینے کے باوجود حقیقی کامیابی حاصل نہ کر سکے اور نہ ہی انہیں چین واطمینان اور سکون کی زندگی میسر ہو پا رہی ہے۔یہاں تک کہ وہ خود مصائب وآلام میں گھرے ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں مجبور محض نظر آرہے ہیں۔اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ اس پرآشوب دور میں فکروخرد کی تمام تر توانائیاں مادی فروغ اور جسم کے تقاضوں کی تکمیل میں مصروف کار اور مرتکز ہوگئی ہیں،مادیت غالب آگئی اور روحانیت مفقود ہو گئی ہے۔اپنے خالق ومالک اور رازق کو فراموش کر کے صرف مادیت ہی کو اپنا آقا تسلیم کرنے لگے جس کا سب سے بھیانک اثر یہ ظاہر ہوا کہ فتنہ وفساد ذہنوں میں سرایت کرنے لگا۔خود غرضی،مفاد پرستی،اخلاقی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی کا خطرناک سلسلہ شروع ہو گیا۔

مگر مقام افسوس یہ ہے کہ جو قوم دنیا میں انسانوں کو روحانیت کا درس دینے آئی تھی جس نے

اپنی روحانی طاقتوں کے ذریعے مادی قوتوں کو چشم زدن میں خاکستر کر دیا تھا وہ بھی آج مادیت کی غلامی کا ثبوت دیتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔جسمانی و مادی اور دنیوی زندگی کو ہی خوشگوار بنانا اس نے اپنا نصب العین بنالیا ہے۔نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی ظاہری ترقی کو دیکھ کر مادہ پرستی میں اس قدر گم ہو گئی ہے کہ اس کے اندر روحانیت کا نام ونشان باقی نہیں رہ گیا ہے۔ایمان کی عظیم دولت حاصل ہو جانے کے باوجود مادیت اس قدر غالب آ گئی کہ اس نے اپنے حقیقی خالق و مالک پر بھروسہ کرنے کی بجائے مادیت پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا ہے ، روٹی ، کپڑا اور مکان کے گرد طواف کرنے لگی ، روحانیت اس سے مفقود ہو گئی ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں بے چینی و بے قراری بڑھنے لگی ، سکون جاتا رہا ، بے شرمی و بے حیائی عام ہونے لگی ، گناہوں کا سیلاب امنڈ پڑا ، اور اخلاقی قدریں اس قدر پامال ہونے لگے کہ وہ اپنا اصل مقام بھول گئی۔اسی لیے ڈاکٹر اقبال نے اپنی قوم کی زبوں حالی کو دیکھ کر ان کے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کے لیے کہا تھا:

مومن کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
کافر کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

جس دن سے قوم مسلم سے روحانیت مفقود ہوئی ہے ، اسی دن سے مادہ پرستوں کی باطل طاقتوں کا عفریت اپنے پنجۂ ظلم و استداد کو بڑھاتا جا رہا ہے۔جس کے سبب ویتنام ، افغانستان اور بوسینیا کے دل دوز واقعات اور جگر خراش وکرب انگیز سانحات رونما ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

عراق کی سرزمین کو تباہ کر دیا گیا ، لاکھوں بچے یتیم اور خواتین بیوہ ہو گئیں ، کنواریاں انچاہے دردزہ سے تڑپ اٹھیں ، مگر پھر بھی ان مادہ پرستوں اور درندوں کے ظلم کی پیاس بجھتی ہوئی نظر نہیں آتی۔حق تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے ، ہمیں قطعاً کسی سے شکایت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے ، ہمارا مقام کیا تھا اور ہم کہاں کھڑے ہیں۔ یہ نفسانیت اور مادیت کا غلبہ ہی تو ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد نہیں ہو پا رہا ہے۔آج ہم پر مادیت کا غلبہ ہی تو ہے جس کے سبب ہم اپنے مذہبی شعار اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے میں عار محسوس کر رہے ہیں ، یہ مادیت کا غلبہ ہی تو ہے کہ علم و آگہی کی بلند منزلوں پر تو ہم فائز ہو جاتے

ہیں مگر روح کے تقاضے پورے نہیں کر پاتے۔
آیئے روحانیت کے سچے علم برداروں سے پوچھیں کہ روحانیت کیا ہے؟ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت محمد بن سماک رحمہما اللہ کی باہم ملاقات ہوئی تو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم، دین کا معالج ہوتا ہے۔ اور مال، دین کی بیماری ہے اگر علاج کرنے والا ہی بیماری کو پاس بلائے تو دوسروں کا علاج کیا کرے گا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا دنیا میں پانچ قسم کے لوگ ہیں۔

☆ علما - وہ تو انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں۔

☆ زاہد - جو رہبر ہیں۔

☆ غازی - جو سیف اللہ ہیں۔

☆ تاجر - جو اللہ کے امین ہیں۔

☆ بادشاہ - جو خلقت کے نگراں ہیں۔

(اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) عالم، اگر لالچی اور دولت کا حریص ہو جائے تو بھلا کس کی اقتدا کی جائے۔ زاہد، اگر خود دنیا کی طرف راغب ہو جائے تو راستہ کس سے پوچھا جائے اور ہدایت کس سے ملے۔ نمازی، اگر ریا کار ہو (اور ریا کار کا کوئی عمل مقبول نہیں) تو دشمن پر فتح کس طرح حاصل ہو۔ تاجر، اگر خیانت کرنے لگے تو امانت داری کہاں تلاش کی جائے۔ بادشاہ، اگر خود بھیڑیا بن جائے تو بکریوں کی حفاظت کون کرے واللہ! لوگوں کو برباد کرنے والے لوگ یہ ہیں، دین میں مداہنت کرنے والے علما، دنیا کی رغبت کرنے والے زاہد، ریاکار غازی، خیانت کرنے والے تاجر اور ظالم بادشاہ "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ.

(بزم اولیاء، ص: ۳۸۵)

یقیناً انصاف و دیانت کے ساتھ ہم خود احتسابی پر عمل کریں تو یہ امر ظاہر ہوگا کہ ہم روحانیت سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جسم کے بنیادی وفطری تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق مادیت سے ہے، ان کے بغیر جسم کی بقا ناممکن ہے۔ مگر جسم فانی کے لیے مادیت میں گھر کر بیمار روح کو تڑپتا چھوڑ دینا یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ مقام شرم ہے کہ جسم جو فانی ہے اس کے لیے سب کچھ اور

روح جو باقی اور اصل ہے اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ہمیں چاہئے کہ روحانیت کا مخزن و منبع نسخۂ شفاء ،کتاب ہدایت قرآن عظیم کی طرف رجوع کریں جو کہ اس مقدس و عظیم ذات کا کلام ہے جو خالق روح و مادہ بھی ہے جس نے اپنے محبوب رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم خوردہ انسانیت کے لیے طبیب بنا کر بھیجا،اب آپ ہی کے دامن رحمت سے لپٹ کر نسخۂ شفا سے روحانیت کا علاج بھی ہو سکتا ہے،اور روحانی عروج بھی حاصل ہوسکتا ہے جو ہمارا اصل مقام اور ہماری کامیابی کا راز ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

(اپریل تا جون ۲۰۰۵)

عظمت قرآن پر حملہ: ملت اسلامیہ کے لیے لمحۂ فکریہ

اللہ کے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد سے مختلف ادوار گزرے۔ ایک دور ایسا بھی گزرا جب سارا عالم جہالت، شک وتحریف، الحاد و بے دینی اور بے راہ روی کی مہیب وادیوں میں پھنسا ہوا تھا۔ انسان انسانیت کا لبادہ اتار کر مکمل بہیمیت اختیار کر چکا تھا، ہدایت کا کہیں دور دور تک نام ونشان نظر نہیں آتا تھا۔ اور وقت آ گیا تھا کہ روحانیت کا ایک نیا موسم بہار آئے، فیضان الہیہ کی جھما جھم بارش ہو، کفر وشرک اور گمراہی کے موذی جراثیم بہہ کر نیست ونابود ہو جائیں، چنانچہ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دیے گئے تھے، یکا یک کھل گئے، وحیِ الٰہی کے افق مبین پر نور کی بدلیاں چھا گئیں، پھر برکاتِ سماوی کی بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یعنی اللہ رب العزت کا مقدس کلام قرآن عظیم کی شکل میں غار حرا سے آفتاب وماہتاب ہدایت بن کر طلوع ہوا۔

بلاشبہہ قرآن عظیم کی اہمیت وعظمت اور اس کی رفعت شان پر تاریخ عالم شاہد عدل ہے کہ جیسے ہی قرآن مقدس کا نزول شروع ہوا ویسے ہی کفر وشرک کی تاریکیاں چھٹنے لگیں، مفاسد ومظالم کا خاتمہ ہونے لگا، جہالت وگمراہی کی زنجیریں کٹنے لگیں، جس کے بھی دل میں اتر تا اسے چمکا دیتا۔ یہی وہ قرآن مقدس ہے جس نے صدیوں سے گرے ہوئے انسانوں کو علم وہنر کی صلاحیت، تقویٰ وطہارت اور فکر وشعور کی بلندی عطا کر کے انہیں اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔

لیکن افسوس! آج اسی قرآن مقدس کی عظمت کو پامال کیا جا رہا ہے، اس کی بے حرمتی کی جا رہی ہے مگر سب سے زیادہ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے تقدس کو پامال کرنے میں جہاں غیروں نے وحشیت وبربریت کا ثبوت دیا ہے وہیں اپنوں نے بھی اس کی عظمت کی پامالی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ بلکہ غیروں کو آج عظمت قرآن پر حملہ کرنے کا موقع بھی مل رہا ہے تو اس کی

وجہ چند نام نہاد مسلمانوں کا قرآن کے ساتھ گستاخانہ سلوک اور قرآنی احکام کی پامالی ہے۔جس کی واضح تصویر سعودی عرب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم قرآن کا ہر طرح احترام کرتے ہوئے اپنی مکمل حیات کو قرآنی احکام کے سانچے میں ڈھال کر غیروں کو اس بات کا یقین دلاتے کہ یہ ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جو **لاریب فیه** (اس میں کوئی شک نہیں) ہے۔یہ ایک ایسا ہادی ورہنما ہے جو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بھی ہے۔**لیکون للعالمین نذیرا**۔اور یہ سراپا ہدایت ورحمت اور منبع شفا بھی ہے۔ **وننزلُ من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین**. اس کے اندر عقلمندی اور دانائی کے بیش بہا خزانے موجود ہیں، وہ علم وحکمت کا بے نظیر سرچشمہ ہے یٰسٓ o **والقرآن الحکیم** o وہ مکمل نور ہے اور ایسا نور کہ جس کی نورانیت سے سارا عالم روشن وتابناک ہے۔**واتبعوا النور الذی انزلنا الیکم** ۔یہی وہ مقدس کتاب ہے جس کی بنیاد ہی حکمت وبصیرت پر رکھی گئی ہے۔اور وہ بھی ایسی حکمت وبصیرت کہ جس کے بعد کسی بھی حکمت وبصیرت کا وجود ہی نہیں کیوں کہ یہ بصیرت دنیا والوں کی طرف سے نہیں بلکہ رب البصائر اور خلاق عالم کی طرف سے ہے:''**هذا بصائر من ربکم**' یہ بصائر ہے تمہارے رب کی طرف سے۔یہی وہ مقدس صحیفہ ہے کہ جس میں سارے جہانوں کی تمام چیزوں کا ذکر موجود ہے۔کائنات کی کوئی چیز خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ایسی نہیں جو اس مقدس صحیفہ میں مکتوب ومسطور نہیں۔ارشاد ہے۔**ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** o کوئی خشک وتر ایسی چیز نہیں جو اس کتاب مبین میں نہیں ہے۔

اور تمام کتب سماویہ وغیر سماویہ میں یہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود مالک ارض وسما نے اپنے کرم پر لے لیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، بلکہ ایک ایک نقطہ اور شوشہ اسی طرح محفوظ وموجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔جیسا کہ ارشاد ہے: **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون** o بے شک ہم ہی نے ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

عظمت قرآن بزبان حبیب الرحمن:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث کریمہ بھی قرآن مقدس کی عظمت وجلالت پر شاہد ہیں اور ایک بندۂ مومن کے لیے اس کے دنیوی واخروی فوائد کی طرف رہنمائی کرتی نظر آتی

ہیں۔ایک حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **خیر کم من تعلم القران و علمه**، تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔(مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے گا اس کو ایک نیکی ملے گی جو دس کے برابر ہوگی میں یہ نہیں کہتا کہ (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے۔اور میم ایک حرف، گویا جو (الم) پڑھے گا اس کو دس نیکیاں ملیں گی۔

ابوداؤد نے معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج سے بھی اچھی ہے اگر وہ تمہارے گھروں میں ہوتا تو اب خود اس پر عمل کرنے والے کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار احادیث کریمہ سے یہ ظاہر ہے کہ بندۂ مومن کے لیے تلاوت قرآن وعمل بالقرآن ہی دنیا وآخرت کی سرخ روئی وسرفرازی کا ضامن ہے۔

تمام کتب میں قرآن مقدس کا امتیازی مقام:

آیئے! قرآن عظیم کی عظمت وحقانیت کو سمجھنے کے لیے ان کتب کا مختصراً جائزہ لیتے چلیں جنہیں آسمانی کہا جاتا ہے، تاکہ قرآن کریم کی حقانیت بالکل آشکارا ہو جائے۔

آج بھی دنیا والوں کے سامنے بائبل، انجیل اور وید کے کچھ نسخے موجود ہیں جن کو ان کے ماننے والے اپنے گمان کے مطابق آسمانی کتاب کہتے ہیں۔حالانکہ وہ سب خود ان کے نزدیک بھی مشکوک ونامعتبر ہیں۔کیوں کہ لانے والے اور ان کے ناقلوں کا کہیں کوئی پتہ نہیں ملتا ہے۔صحف سماوی کے مصنف رقم طراز ہیں: ''بائبل عہد قدیم میں ۴۷ کتابیں ہیں۔جن کی بابت ان کے ماننے والوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیا سے حاصل ہوئیں۔اور عہد جدید کی

۲۷/کتابیں ہیں جو عہد عیسیٰ علیہ السلام میں الہام ہوئی ہیں۔ یہ وہ کتب ہیں جن کا اکثر حصہ پہلے بھی عیسائی علما میں مشکوک تھا۔ لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائسس، کا تھج اور فلارنس میں بیٹھ کر عیسائی علمانے مشورہ کیا اور مشکوک کتب کو معتبر بنا دیا۔

موجودہ انجیل کی تاریخی حیثیت:

اسی طرح آج نصرانیت کا پورا دارو مدار انجیل پر ہے اور انجیل کی تاریخی حیثیت بھی قابل غور ہے کہ موجودہ انجیلیں سب غیر مستند ہیں۔ متی کی اصل انجیل تو دنیا سے ناپید ہے اور لوقا و مرقس کی جانب جو انجیلیں منسوب ہیں وہ بھی غلط منسوب ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی نہ تھے۔ چنانچہ ان اناجیل کے حق اور صادق ہونے کے سلسلے میں تیسری صدی ہی میں اختلاف رونما ہو چکا تھا۔ پھر عیسائی پادریوں کی ایک بڑی جماعت نے یہ اعتراف کیا کہ یہ انتساب بالکل غلط ہے۔

اور جو دور حاضر کی انجیلیں ہیں وہ تو بالکل کفر و شرک کی تعلیمات سے لبریز ہیں۔ آسمانی تعلیمات کے بالکل برخلاف، بے شمار فحش باتیں ان میں موجود ہیں۔ لہٰذا یہ اصل انجیل ہو ہی نہیں سکتیں۔ ایک انجیل جو برنابا حواری کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ چوں کہ عیسائی علما کے خرد برد سے بچی رہی، اس لیے اس کے کچھ مضامین قرآن سے ملتے جلتے ہیں مگر وہ بھی اصل نہیں ہے۔

ہندو دھرم کی کتاب وید کی حیثیت:

اسی طرح وید کی جتنی کتابیں ہیں وہ بھی آسمانی کتب نہیں ہیں کیونکہ یہ نہ خود ان کا دعویٰ ہے اور نہ ہی ان کی تاریخیت کا کچھ پتا چلتا ہے بعض ہندو عالم خود کہتے ہیں کہ یہ بیاس جی کی مرتب کردہ ہیں جو زرتشت کے زمانے میں تھے اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ کسی برہمن کی گڑھی ہوئی کتابیں ہیں۔

کلکتہ کالج کے ایک پروفیسر پنڈت کرشن کمار بھٹا چاریہ نے لکھا ہے کہ وید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کیا ہے اور وہ مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان کتب کو دیکھنے کے بعد دل یہی گواہی دیتا ہے کہ یہ آسمانی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا قرآن حکیم اور صرف قرآن حکیم ہی ایسی آسمانی کتاب ہے جو حرف بہ حرف مکمل طور پر محفوظ ہے، ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، اسی کی مقدس تعلیمات نے مردہ عالم کو حیات جاودانی بخشی۔ جو آج خود بھی زندہ ہے اور کروڑوں سینوں میں

محفوظ ہے۔آج یورپ وامریکہ اور دنیا کی بیشتر قوموں کو چاروناچار اسی کی طرف آنا پڑرہا ہے۔

اعجاز قرآن پر انگریز مفکرین کی شہادتیں:

عصر حاضر میں کچھ مغرب زدہ لوگوں کی ایک عادت قبیحہ یہ ہے کہ جب تک یورپ وامریکہ کے دانشور کسی چیز پر مہر تصدیق ثبت نہ کردیں اس وقت تک اس کا وہ اعتبار ہی نہیں کرتے۔لہٰذا ان کے فائدے کے لیے یورپ وامریکہ کے چند دانشوروں کی شہادتیں پیش کرنا بہتر اور مناسب سمجھتا ہوں۔ملاحظہ فرمائیں!

چیمبرس آف انسائیکلوپیڈیا: قرآن نے ظلم،جھوٹ،غرور،انتقام،غیبت،طمع،فضول خرچی، حرام کاری،خیانت اور بدگمانی کی سخت مذمت کی ہے اور یہ اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی: قرآن دلوں میں ایسا پرزور ایمانی جوش پیدا کرتا ہے کہ پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سرولیم میور: قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا اور انسانوں کو خدا کی اطاعت وشکرگزاری پر لگادیا۔

گویا قرآن کی عظمت کے معترف یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن حکیم توحید کا سب سے بڑا دعوے دار ہے،انسان کو عبدیت کا سلیقہ سکھانے والا سب سے بڑا ہادی ہے۔

مسٹر سٹینلی لین پول: قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک مذہب میں ہونا چاہیے۔اور وہ ایک بزرگ انسان،محمد امیں تھا۔

مسٹر جے ٹی بٹانی: قرآن نے بےشمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا ہے اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کردیا ہے۔

مسٹر رچرڈسن: غلامی کی مکروہ رسم کو اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندوشاستر قرآن سے بدل دیا جائے۔

ڈین سٹینلی: قرآن کا قانون بلاشبہہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔

سر اڈورڈ ڈوینی سن راس سی آئی ای: قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جاوے۔

جارج سیل: قرآن کریم بلا شبہہ عربی زبان کی سب سے بہترین اورسب سے مستند کتاب ہے، کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بڑھا ہوا معجزہ ہے۔

موسیوسیڈیوفرانسیسی: اسلام کو جولوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو دیکھانہیں۔جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایاپلٹ ہوگئی۔

یہ انگریز مفکرین کی شہادتیں ہیں۔اب کچھ ہندو دانشوروں کی شہادتیں بھی ملاحظہ فرمائیں!

ہندو مفکرین کی شہادتیں:

اڈمنڈبرک: اسلامی قانون ایک تاجدار سے لے کرادنیٰ ترین افراد ورعایا تک کو حاوی ہے یہ ایک ایسا قانون ہے جو معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے۔جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

گرونانک: توریت، زبور، انجیل اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا قرآن شریف ہی قابل قبول اوراطمینان قلب کی کتاب نظر آئی اگر سچ پوچھو تو سچی اوراطمینان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہوجاتا ہے قرآن شریف ہی ہے۔

بابوپپن چندر پال: قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ نہ ہی کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔

موہن داس کرم چند گاندھی جی: مجھے قرآن کو الہامی کتاب سمجھنے میں ذرا برابر بھی تأمل نہیں ہے۔

طوالت کے خوف سے ہم نے صرف چودہ مفکرین کی شہادتیں پیش کی ہیں۔یہ اور اسی طرح بہت سے دانشوروں کی شہادتیں موجود ہیں۔بہرکیف ان شہادتوں کو چشم بصیرت سے پڑھنے کے بعد ہرانسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ" **الفضل ما شهدت به الاعداء**" فضیلت درحقیقت وہ ہے کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔کیا یہ تمام حقائق یورپ وامریکہ اور مغرب زدہ مسلمانوں کے لیے درس عبرت نہیں ہیں؟ کیا قرآن کی صداقت میں اب بھی کچھ شک باقی رہے گا؟ بلکہ آج جب کہ اس کے دلائل ومعجزات آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر وباہر ہیں، اب بھی اگر کوئی انکار اور اس کی

توہین کرے تو ہم یہی کہیں گے کہ ۔

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

اگر چمگادڑ کی آنکھ دن میں نہ دیکھ سکے تو سورج کا کیا قصور؟ وہ تو چمک دمک رہا ہے، دنیا دیکھ رہی ہے، اعتراف کر رہی ہے۔ اگر کوئی نہ دیکھ سکے تو یہ اس کی آنکھ کا قصور ہے۔

عظمت قرآن پر اجمالی تبصرہ:

قرآن مقدس ہی وہ عظیم کتاب ہے جسے آج پوری دنیا میں بہ تمام وکمال کلام ربانی کہا جاسکتا ہے جو اپنی غیر محرف صورت میں آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں ایسی کوئی کتاب نہیں جسے کلام ربانی کہا جاسکے۔ اب تو وحی کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے اس لیے اب دوسرا ایسا کلام یا کتاب نہیں آسکتی۔ اب قیامت تک بندوں کے لیے یہ ایک لاثانی نعمت عظمیٰ ہے۔ وہ اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اس مقدس کتاب میں ایسے عظیم قواعد وضوابط مندرج ہیں جنہیں انسانوں کے رشد وہدایت کے لیے خود خلاق کائنات نے مرتب فرمایا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر تمام بندے دنیوی واخروی نعمتوں سے مالا مال ہو سکتے ہیں یعنی تمدنی، منزلی، سیاسی، اقتصادی، اور علمی واجتماعی ترقیوں نیز تزکیۂ نفس وطہارتِ قلب کے ذریعے بندگی ومعرفت الٰہی کی فائز المرامیوں سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اتنی کامل اور جامع کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہے اس کا کوئی بھی حکم فطرت انسانیہ سے بغاوت کرتا نظر نہیں آتا۔ آج پوری دنیا میں قرآن نشر ہو چکا ہے یہ جس طرح عربوں کی ضروریات کا کفیل رہا اسی طرح چینیوں، تاتاریوں، ہندوؤں اور دیگر ممالک کی قوموں کی تشنگی دور کرتا رہا ہے۔ کہنے کو تو رامائن، گیتا، زنداوستا، بائبل، وغیرہ کو بھی الہامی کتب کہا جاتا ہے حالانکہ ان کی اصل ہیئت بالکل تبدیل ہو چکی ہے، نہ وہ زبان رہی نہ وہ دل کشی۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان کے ماننے والے تو کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن ان کا کوئی حافظ آپ کو نہیں ملے گا اس کے برعکس قرآن مقدس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ آپ کو مل جائیں گے یہ قرآن مقدس کا عظیم معجزہ ہی تو ہے۔ مگر آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ منظّم سازش کے تحت

قرآن مقدس کی توہین کی جارہی ہے،اس کے متعلق انسانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔کبھی تواس کے مقدس اوراق کونذر آتش کیا جاتا ہے،کبھی اس کوٹھوکر مار کر غلاظتوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔یہ سارا ظلم قرآن کے ساتھ کیوں ہورہا ہے؟ آخر قرآن مقدس نے کس کا کیا بگاڑا ہے، بلکہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ ظلم وستم ،چوری،ڈاکہ زنی،شراب نوشی،زنا کاری، قتل وغارت گری،جیسی انسانیت سوز شرارتیں جب عروج پر تھیں اس وقت قرآن مقدس نے اپنی دلآویز وسحرانگیز تعلیمات کے ذریعہ ان ساری برائیوں کا خاتمہ کر کے ایک عظیم انقلاب برپا کردیا تھا۔کیا یہ ظالم بھول گئے کہ قرآن مقدس نے دنیا والوں کوکیسی کیسی ہدایتیں دیں۔اور رذیلوں ، غلاموں،فقیروں کوعزت وعظمت وشوکت ورفعت کے کیسے کیسے تاج پہنائے۔ترقی وکامرانی علم و ہنراورنجات وفلاح کے ایسے ایسے بیش بہا خزانے دنیا کے آگے بکھیرے تھے کہ جس کی نظیر نہ پچھلی دنیا پیش کرسکی ہے نہ اگلی دنیا اس کی کوئی مثال دے سکتی ہے اس قدر عظیم محسن کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیوں برتا جارہا ہے؟ ان ظالموں کوہوش میں آنا چاہیے کہ قرآن مقدس کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔اور تجربات بھی شاہد ہیں کہ ایسے ظالموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں ملی ہیں کیا یہ ظالم کافر سمجھتے ہیں کی قرآن مقدس کی توہین کرنے سے قرآن مٹ جائے گا اسلام ختم ہوجائے گا۔بلکہ قرآن کے مٹانے والے خود ہی مٹ جائیں گے فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے ہمارا قرآن زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ:

آج پوری دنیا کے مسلمان جوش وخروش کے ساتھ قرآن مقدس کی بے حرمتی پر احتجاج کررہے ہیں چیخ رہے ہیں چلا رہے ہیں اور واقعی یہ جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ بھی ہے۔کیوں کہ مسلمان اپنی پیاری جان دینا تو گوارا کرسکتا ہے لیکن قرآن مقدس کی توہین برداشت نہیں کرسکتا،اس کی غیرت ایمانی بیدار ہوتی ہے تو وہ ان ظالموں کوکیفر کردار تک پہنچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی بھی لگا سکتا ہے۔مگر ہمارے لیے سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج اغیار نے قرآن کی صوری طور پر بے حرمتی کی ہے تو کچھ مسلمانوں نے بھی معنوی طور پر قرآن وقرآنی تعلیمات کے ساتھ ظلم کیا ہے اور درپردہ اس کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔

افسوس صد افسوس! وہی قرآن مقدس جس کے متعلق ارشاد باری ہے **لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله ٥** اگر یہ قرآن پہاڑ پر اتارا جاتا تو تو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ لیکن آج اسی کی تلاوت مسلمانوں پر کی جاتی ہے اور بار بار کی جاتی ہے لیکن ان کے گوشت کے بنے ہوئے دل سخت پتھر والے پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوتے ہیں۔ کیا احکام قرآنیہ کی پامالی آج مسلمانوں سے نہیں ہو رہی ہے؟ اس کے خلاف زندگی بسر کرنا کیا آج ہمارا شیوہ نہیں بن گیا ہے؟ مغربیت کا رنگ و روپ دھار کر، دولت کے نشہ میں چور، شادی بیاہ میں یہود و نصاریٰ کا طرز اختیار کر کے لاکھوں کی دولت فضول رسموں میں ضائع کرنا یہ قرآن مقدس کی عظمت کا اظہار ہے یا اس کی توہین؟ قرآن نے تو ہمیں یہ تعلیم دی تھی: **لا تبذر وا تبذیرا ٥ ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین** " فضول خرچی نہ کرو فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ اس پر خود ہمارا کہاں تک عمل ہے نیز اپنی جماعت میں اختلاف وانتشار اس قدر بھیانک ہے کہ پچھلی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، ایک دوسرے کی غیبت و چغلی کھا کر آپس میں لڑانا، پھوٹ ڈالنا اور کسی مسلمان پر بے بنیاد الزامات لگا کر اسے ذلیل و رسوا کرنا، کیا یہ چیزیں آج مسلمانوں میں عام نہیں ہیں بلکہ ہر قوم سے زیادہ مسلمانوں میں رائج ہیں۔ کیا یہی قرآنی تعلیمات ہیں جن پر ہم عمل کر رہے ہیں۔ قرآن نے تو ہمیں یہ تعلیم دی تھی۔ **واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا** ۔ اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو، آپس میں جدا نہ ہو۔ نیز یہ فرمایا تھا: **ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا**'' کسی کی ٹوہ میں نہ لگو تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔

نمازوں کو چھوڑ کر کیا بے حیائیاں اور برائیاں ہمارے گھروں کی زنجیریں نہیں بن گئی ہیں۔ آج ہمارے گھروں میں ناچ گانا ہو رہا ہے، حیا سوز فلمیں دیکھی جا رہی ہیں، بہو، بیٹیاں، بہنیں، بے پردہ بازاروں اور کلبوں کا چکر لگا رہی ہیں، بازاروں کی زینت بننے میں وہ فخر محسوس کرتی ہیں۔ مغرب زدہ عیاش رقاصاؤں کی طرز حیات کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنا رہی ہیں۔ کیا یہی قرآنی تعلیمات ہیں؟ اس ضمن میں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم قرآن کی تعظیم کر رہے ہیں یا

توہین؟ اگر ہم غور کرلیں تو جواب بہت جلد سمجھ میں آجائے گا۔

قرآن مقدس کی تلاوت اور تعلیم سے ہمیں کتنا شغف ہے اس کا اندازہ تو اس سے لگا سکتے ہیں کہ ہم انگریزی اخبارات اور ناولیں اور میگزین جب تک نہیں پڑھ لیتے چین نہیں ملتا، سفر نہیں کٹتا ،بعض لوگ تو جب تک انگریزی اخبار کا مطالعہ نہیں کرلیتے وہ صبح کی چائے بھی نہیں پیتے ہیں، جب تک ناول ہاتھ میں نہیں لیتے ہیں انہیں نیند نہیں آتی مگر قرآن مقدس کو چھونے کا موقع بھی میسر نہیں آتا۔کیا قرآن مقدس سے محبت والفت کا یہی انداز ہے؟ پھر کس منھ سے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو ماننے والے ہیں ،قرآن کی توہین برداشت نہیں کرسکتے۔

قرآن کی تعلیم سے بےزاری کا عالم یہ ہے کہ اپنے نونہالوں کوانگریزی تعلیم دلانے کا اس قدر اہتمام کہ جتنی بھی خطیر رقم دینا ہو دے دیں گے۔اس کے سارے لوازمات کا بوجھ بھی برداشت کریں گے اور خود اسکول تک بچے کو لیجانے اور لانے کے لیے فکرمند رہیں گے مگر قرآن کی تعلیم مفت میں دی جارہی ہے قرآن مفت میں دیا جارہا ہے لوازمات کی ضرورت نہیں پھر بھی اپنے بچوں کو بھیجنے کے لیے تیار نہیں۔اور اگر بھیج بھی دیتے ہیں تو اس انداز سے کہ بچہ نہ منھ دھلا ہے نہ ناک صاف کیا ہے نہ اس کے کپڑے درست ہیں۔ستم بالائے ستم اس کی کوئی پروا بھی نہیں کہ اس نے کیا پڑھا؟ کتنا پڑھا؟ اس کی تربیت کیسی ہوئی ہے؟ کن عقائد کو سیکھا؟ اس پر کوئی توجہ ہی نہیں۔کیا قرآن مقدس کی عظمت کا اعتراف اسی کو کہا جاتا ہے؟؟؟

مسلمانو! بیدار ہوجاؤ! اپنا اصل مقام پہچانو! تمہیں عظمت وشوکت اور دنیا کی ترقی اسی راہ سے حاصل ہوسکتی ہے جہاں سے پچھلے دور کے مسلمانوں نے حاصل کی تھی۔وہ ہے قرآن مقدس اور تعلیمات قرآنیہ سے بے پناہ شغف اور اس پر عمل۔پچھلے مسلمانوں کی تاریخ ملاحظہ کرو کہ انہوں نے اطاعت وفرماں برداری کا کیسا حق ادا کیا تھا۔

آج ہمیں علم وتحقیق کے میدان میں مفلس کہا جاتا ہے تو یہ قول کچھ حد تک بجا بھی ہے کہ ہم جب سے قرآن سے دور ہوئے علم وتحقیق کے میدان سے بھی دور ہوئے۔پچھلے مسلمانوں کی علمی تحقیقات وانکشافات کے عظیم کارنامے جو آج بھی تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں جس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے وہ صلاحیت انہیں کہاں سے حاصل ہوئی یقیناً علوم وفنون کو انہوں نے قرآن مقدس

سے لیا ہے اور اس طرح اس میں کمال پیدا کیا کہ سارے عالم کو متحیر وانگشت بدنداں کر دیا۔ اور ایسے ایسے علمی و تحقیقی کمالات دکھائے کہ غیروں کے سارے علمی کمالات ان کے کمالات کے آگے ہیچ ہو گئے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و ریاضی، ہیئت و حساب، جبر و مقابلہ، حکمت و طبابت، سائنس و موسیقی، فن تعمیر، علم تعبیر رؤیا، علم عروض و قوافی، علوم بلاغت، شعر و شاعری، علم الاجسام، علم الجراحت، علم تاریخ، تقویم و مساحت، جہاز رانی، وغیرہ یہ سب ایسے علوم و فنون ہیں کہ جن کو مسلمانوں نے صرف حاصل ہی نہیں کیا بلکہ ان علوم و فنون میں ان کو تبحر حاصل تھا اور یہ سب کچھ قرآن مقدس کی برکت سے انہیں حاصل تھا۔ قرآن آج بھی ہے مگر مسلمانوں کے نزدیک اس کی اہمیت صرف اتنی رہ گئی ہے کہ گھروں میں بطور تبرک طاق پر رکھا جاتا ہے اور کسی کے انتقال پر اسے تلاوت کیا جاتا ہے۔ علماے کرام نصیحت کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں مگر قوم کو مطلق احساس نہیں ہوتا ان کے سروں پر جوں بھی نہیں رینگتی ہے۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر دوسری قومیں قرآن پاک کی توہین کر کے ہمارے دلوں کو اور زخمی کرنا چاہتی ہیں۔ آج ہماری عبادت گاہیں محفوظ نہ رہیں، ہمارے شعائر نیز ہمارے مذہبی ارکان خطرے میں ہیں اسی لیے کہیں مسجدیں ڈھائی جا رہی ہیں تو کہیں اذانیں بند کی جا رہی ہیں۔ ایسے خطرناک حالات ہیں کہ الامان والحفیظ۔ (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء)

فلاح انسانیت کا ایک عالم گیر منشور

اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوقات میں بنی نوع انسانی کو تاج کرامت سے نوازا، ساتھ ہی اسے اپنے فضل وکرم سے بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب خالق کائنات عزوجل نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تو سب اس امانت کے بار گراں کو اٹھانے سے انکار کر گئے اور ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ جس کے سبب انسان کو امتیازی شان حاصل ہوئی اور اسے وہ بلندی ملی کہ وہ اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔

اگر سمٹے تو بس اک مشت خاک ہے انساں
اگر پھیلے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

مگر عصر حاضر میں انسانوں کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آج انسان ذلت و پستی کی مہیب کھائیوں میں گر چکا ہے، قتل و غارت گری اور فساد و خوں ریزی کا بازار اس قدر گرم ہے کہ خون انسانی کا احترام ختم ہو چکا ہے، ایک انسان کی نگاہ میں دوسرے انسان کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، آج ایک انسان درندہ صفت بن کر بم و بارود کے ذریعہ آگ برسا کر لاکھوں انسانوں کو خون میں نہلا رہا ہے جس کا اثر یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زمینی و آسمانی بلاؤں کا ایک خطرناک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ کبھی سیلاب و سونامی کی صورت میں تباہی و بربادی آ رہی ہے تو کبھی خطرناک وبائی امراض سے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ الغرض جس انسان کے لیے کائنات کی ہر چیز مسخر کر دی گئی تھی آج وہ خود مضطرب و پریشان نظر آ رہا ہے، اس کا سارا سکون غارت ہو گیا ہے۔ آخر وجہ کیا ہے؟ ایسے حالات میں ہمیں ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہو کر اس کا سبب تلاش کرنا چاہیے۔

رب قدیر کا ارشاد گرامی ہے: ظهر الفساد في البر و البحر بما كسبت ايدي الناس . پھیل گیا ہے فساد خشک وتر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کیے ہیں۔

یعنی انسان نے خود اپنے جرائم و معاصی کے ذریعہ فساد کو دعوت دی ہے۔قرآن مقدس کی مذکورہ آیۂ کریمہ کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جب انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کی منشا ومرضی کے مطابق زندگی نہیں گزاتا بلکہ فسق وفجور میں زندگی گزارنے لگتا ہے تو زمین میں فسادات رونما ہوتے ہیں، برکتیں اٹھا لی جاتی ہیں، خصوصی رحمتوں کی بارش بند ہو جاتی ہے اور بلاؤں، آفتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے پھر اس قدر تباہی و بربادی آتی ہے کہ سارے انسان پریشان ہو جاتے ہیں، سکون واطمینان کی دولت چھن جاتی ہے۔

آج کے کچھ جدید تعلیم یافتہ کم عقل انسانوں کا کہنا ہے کہ دہشت گردوں کو ختم کریں گے تو فسادات کا سد باب ہوگا یہ ان کی خام خیالی اور نادانی ہے۔فسادات کے خاتمہ کی ایک ہی صورت، ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ فلاح انسانیت کے لیے ہم سب کے خالق و مالک نے اپنے محبوب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ جو عالم گیر منشور حیات عطا فرمایا ہے اسے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو جائیں، میں پورے چیلنج کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس عالم گیر منشور کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے اس کو نافذ کر دیں تو فسادات، قتل و غارت گری، تباہی وبربادی یکسر ختم ہو جائیں گے اور پھر ہر ملک چین وسکون کی جنت بن سکتا ہے۔ وہ عالم گیر منشور وہی ہے جو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات میں صحابۂ کرام کے سامنے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا تھا، دراصل اسی خطبہ پر عمل فلاح انسانیت کی ضمانت ہے۔ملاحظہ ہو:

''اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے تم غور سے سنو، شاید آنے والے سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جانیں اور اموال (قیامت تک) جب کہ تم اللہ کے حضور میں حاضر ہو حرام ہیں، جس طرح آج اور اس مہینے (ذوالحجہ) میں تم پر حرام ہیں، جس کسی کے پاس دوسروں کی امانت موجود ہو، وہ اس کے مالک کو جس نے وہ امانت دے رکھی ہے لوٹا دو، آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے، اصل مال تمہارا ہے، نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، نہ

تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا اور سب سے پہلا سود جس سے میں ختم سود کا آغاز کرتا ہوں، میرے چچا عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے، جاہلیت کے خون بھی ختم کیے جارہے ہیں، اور جس سے اس کا آغاز کیا جارہا ہے وہ عامر بن ربیعہ الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے، زمانۂ جاہلیت کے تمام افتخار اور فضیلتیں بھی ختم کردی گئی ہیں سوائے مناصب بیت اللہ کے اور حجاج کو پانی پلانے (کے مناصب) کی فضیلتوں کے۔ قتل عمد میں قصاص ہے اور لاٹھی یا پتھر کی ضرب سے جو قتل ہو وہ قتل عمد کے مشابہ ہے، اس کی دیت میں سو اونٹ ہیں اور جو کوئی اس پر اضافہ کرے وہ اہل جاہلیت سے ہے۔ اے لوگو! شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی پرستش کی جائے، وہ تمہارے معمولی اعمال میں اس کی اطاعت پر راضی ہو گیا ہے۔ اے لوگو! نسیٔ (مہینوں میں ادل بدل کرنا) کفر کے عمل میں اضافہ ہے اور اس سے کفار اور گمراہی میں پڑتے ہیں کہ وہ ایک سال اسے حلال کرلیتے ہیں اور ایک سال حرام، تاکہ اس طرح ان مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں۔ یقیناً آج زمانہ گھوم پھر کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، اللہ کی کتاب میں۔ ان میں چار حرمت والے ہیں، تین پے درپے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک الگ ہے یعنی رجب جو جمادی الاخرۃ اور شعبان کے درمیان ہے، آگاہ رہو، میں نے بات پہنچادی، اللہ تو گواہ ہے۔

لوگو! سنو تم کو عورتوں پر حقوق دیے گئے ہیں، اسی طرح تمہاری عورتوں کو تمہارے معاملہ میں بھی حقوق دیے گئے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواب گاہ میں تمہارے سوا کسی اور کو نہ آنے دیں اور تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص کو گھر میں نہ داخل کریں تم جس کو ناپسند کرتے ہو، ان پر لازم ہے کہ بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں، اگر ان سے یہ قصور سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو، اور ان کو خواب گاہوں سے الگ کردو اور ان کو ایسی جسمانی سزا دے سکتے ہو جو بدن پر نشان ڈالنے والی نہ ہو، اگر عورتیں ایسے کرتوت چھوڑ دیں تو دستور کے مطابق تم اس کے کھانے کپڑے کا بھرپور لحاظ رکھو، بیشک عورتیں تمہاری زیردست ہیں، کسی طرح وہ اپنی نفسوں کی مالک نہیں ہیں، تم نے ان کو اللہ کے امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت اپنے تصرف میں لائے ہو، پس عورتوں کے معاملہ میں اللہ

سے ڈرو اور اچھے طریقے سے ان کی تربیت کرو، آگاہ رہو کہ بات میں نے پہنچا دی، الٰہی تو گواہ رہنا۔ اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال اس کی رضا مندی کے بغیر لینا جائز نہیں، آگاہ رہو کہ بات میں نے پہنچا دی۔ الٰہی تو بھی گواہ رہنا۔ سنو! میرے بعد تم کہیں کافرانہ رنگ ڈھنگ نہ اختیار کر لینا اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا، آگاہ ہو کہ بات میں نے پہنچا دی اور اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تم سب کے باپ (آدم علیہ السلام) بھی ایک ہیں، تم سب آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر سوائے پرہیزگاری کے اور کوئی برتری اور فضل حاصل نہیں ہے۔ آگاہ رہو کہ بات میں نے پہنچا دی اور اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اور جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔ اے لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے اور مال سے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہے، جس نے اپنے باپ کی بجائے دوسرے کو اپنا باپ قرار دیا، یا جس غلام نے اپنے آقا کے سوا کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہے، قیامت کے دن کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہوگا، تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو اور رحمتیں نازل ہوں۔

اس عظیم الشان خطبۂ مبارکہ پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو یقیناً ہمارا ذہن خود گواہی دے گا کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں تدبیر منزل، تہذیب اخلاق، سیاست مدن، جو ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کے اہم ارکان ہیں ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالتے ہوئے ایسا بہترین لائحۂ عمل پیش فرمایا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو بھی اس پر عمل کی ترغیب دیتے رہیں۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

اسلام اور انسانی واخلاقی اقدار کی تشکیل وتعمیر

رب کائنات کا بنایا ہوا قانون اسلام ایک ایسا عظیم الشان عالم گیر پاکیزہ قانون ہے جس نے پوری دنیا پر گہرے اثرات ڈالے ہیں، وہ جس جگہ بھی پہنچا امن وصلح کا پیغام لے کر پہنچا ہے۔

جب دنیا ظلم و استبداد رشوت ستانی وسود وغضب اور خیانت ،فحش گوئی وبد زبانی ، غیبت ، دورُخا پن، وعدہ خلافی ،عیب چینی ،حسد، بدنگاہی ، جھوٹی شہادت ،استہزا وتمسخر ،ناجائز حمایت و طرفداری جیسی انسانیت سوز لعنتوں سے بھر چکی تھی اور پوری انسانیت دردوکرب سے سسکیاں لے رہی تھی ،ایسے تاریک ماحول سے نکال کر اسلام نے انسانوں کو بقعۂ نور میں لاکر کھڑا کر دیا۔انسانی اخلاق کی بدترین بیماریوں کا علاج پیش کر کے وقار وسنجیدگی ،شرافت ونفاست ،احقاق حق وابطال باطل،امر بالمعروف و نہی عن المنکر ،تعلیم وتعلم ، صبر وشکر ،شرم و حیا ، توکل واستغنا ،اخلاص واستقامت ،انفاق وسخاوت ،حلم و بردباری ،عبادت و ریاضت ،دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت جیسے اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین کر کے انسانوں کو اوج ثریا تک پہنچا دیا۔اسلام نے انسان کو من حیث الانسان اس قدر بلندی عطا کی کہ اس کا خون ناحق چاہے وہ دنیا کے کسی خطہ میں ہو سارے انسانوں کے قتل کے مترادف قرار دیا۔

خیر امت اور اس کا معیار:

آج پوری دنیا میں اسلام کی بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خیر امت فرما کر کچھ اہم ذمہ داریاں اسے سونپ دی ہیں یعنی کہ مسلمان حقیقی مسلمان بن کر تعلیمات اسلامی کے خیرات وحسنات سے پوری روئے زمین کو بھر دے اور اسلامی نظام امن قائم کر کے ضلالت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے انسانوں کو نور اور روشنی کی طرف لے آئے

تا کہ سارے انسان حقیقی حیات کی لذتوں سے آشنا ہوسکیں، جیسا کہ قرآن مقدس اعلان فرما رہا ہے:

”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله“ (ترجمہ): تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یوں ہی حدیث رسول سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے، مسند احمد اور نسائی کی روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے جب کہ سرکار منبر پر تشریف فرما تھے، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو سب سے اچھا قاری اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور زیادہ نیکی کا حکم دینے والا، برائی سے روکنے والا ہو نیز زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔

قرآن مقدس اور حدیث پاک کی روشنی میں خیر امت کا معیار شفاف آئینہ کی طرح ہر مسلمان کے روبرو موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کی عظیم ذمہ داریاں بھی اظہر من الشمس ہیں، انہی ذمہ داریوں کے پیش نظر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے حقوق انسانی کے تحفظ کی خاطر انسانی عقل وضمیر کی سودے بازی کا سدِ باب کیا، سیاہ وسفید، رنگ ونسل کا امتیاز مٹا کر برادرانہ وہمدردانہ برتاؤ کو رواج دیا، معاش سے مجبور ہو کر جان دینے والوں کا غم غلط کر کے چین وسکون سے جینے کا سلیقہ عطا کیا۔

اسلام کی نمایاں خوبی:

اسلام اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ قانون کا احترام اور خوف خدا لوگوں کے دلوں میں اس طرح رچ بس جائے کہ ہر انسان دوسرے کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو اپنے لیے پسند کرے، اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا رواج دنیا نے قائم کیا ہے مگر اسلام نے جس مقدس معاشرے کی تشکیل فرمائی ہے اس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی، عفو ودرگذر اور آپسی تعلقات کے دوران بدمزگی پیدا ہونے کی صورت میں اسے دور کر کے اعلیٰ اخلاقی کردار کا مظاہرہ کرنا یہ صرف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، گھریلو زندگی اور خاندانی زندگی بلکہ عالمگیر انسانی برادری تک تطہیر وتعمیر کے اصول اسلام نے عطا کیے ہیں سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ جہالت کو ٹھوکر مار کر انسانوں کے دلوں میں تعلیم وتعلّم کا جذبہ اسلام ہی نے پیدا کیا۔

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آج کے دور ترقی میں مسلمان تعلیمی پسماندگی کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی پستی میں بھی مبتلا ہو چکا ہے۔سائنس کی ترقی اور جدید ایجادات واکتشافات کو دیکھ کر وہ متحیر ہے اور حسرت بھری نگاہ سے دیکھ رہا ہے ۔حالانکہ سائنس کی اصل بنیادیں اور فارمولے اسلام ہی کی مرہون منت ہیں،آج کے سائنس دان تحقیق اورریسرچ کر کے جن حقائق کو پیش کررہے ہیں اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اس کی وضاحت فرمادی ہے۔یہی وجہ ہے کہ سائنس آج جس قدر ترقی کررہی ہے اسی قدر اسلام کی حقانیت اجاگر ہوکر سامنے آرہی ہے۔تاریخ اٹھا کر دیکھ لو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار غلاموں نے دنیا کے جس خطہ میں قدم رکھا ہے اسے ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال کردیا ہے۔

تفصیل میں نہ جاکر صرف اندلس کی تارخ کا مطالعہ کریں مؤرخین کا بیان ہے کہ قرون وسطیٰ میں جب یورپ وحشت وبربریت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا،تہذیب وشائستگی سے دور جنگلوں میں بسیرا اور گھاس پھونس کی جھوپڑیاں ان کا مسکن تھا،تمدن اور مدنیت کی ہوا بھی انہیں نہیں لگی تھی ،اس دور ظلمت میں مسلمانوں نے قرآن مقدس کی قندیل سنبھالے صرف نوے سال کے عرصے میں سمرقند سے اطلس کے ساحل تک اور بحیرۂ اسود سے ملتان تک پہنچ کر علوم فنون کے مراکز قائم کیے، فلک بوس میناروں والی شاندار مساجد تعمیر کی،دارالعلوم،دارالکتب،ہاسپٹل،عمارتیں،محلات، باغات،پل،تالاب اور رِفاہ عام کے اداروں کو قائم کر کے اہل عالم کو مزید اکتشافی علوم پر توجہ کرنے کی رغبت دلائی۔اندلس کے اندر مسلمانوں کے کئی بندرگاہیں تعمیر کیں ۔ یہاں تک کہ ایک مؤرخ ول ڈیوران نے اعتراف کیا ہے کہ اسپین کے ایک مسلمان سائنسدان نے جس کا نام ابن فرماس تھا تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو محوحیرت کردیا۔(۱)عینک کا چشمہ۔(۲)وقت بتانے کی گھڑی۔(۳) ایک مشین جو ہوا میں اڑتی تھی یعنی طیارہ۔(ایج آف فیتھ ص:۲۹۸)

اسلامی اندلس میں مسلمانوں نے پریس بھی ایجاد کرلیا تھا، یہ تمام وہ حقائق ہیں جنہیں لوح تاریخ سے مٹایا نہیں جاسکتا۔لیکن جب تک یہ علوم واکتشافات کی صلاحیتیں مسلمانوں کے پاس تھیں، دنیا میں امن قائم تھا،عدل وانصاف کا اجالا،صدق ودیانت کا دور دورہ تھا۔مگر جب سے یہ علوم وحشیوں کے پاس چلے گئے، دنیا سے امن کا خاتمہ ہوگیا،وحشت وبربریت اور خونریزیاں عام

ہوگئیں انسانی اخلاقی اقدار کا دور دور تک کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا ہے۔

باوقار مستقبل کی تلاش :

آج کا دور اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمان تعلیم اور ریسرچ کے میدان میں آگے بڑھیں، اپنے دین وایمان کو بچاتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہر میدان میں آگے قدم بڑھائیں، مایوسی اور پست ہمتی مسلم کا شیوہ نہیں ہے بلکہ ہمت مرداں مدد خدا پر عمل کرتے ہوئے خود بھی آگے بڑھیں، عام مسلمانوں کی تعلیمی واخلاقی پسماندگی دور کرنے کے لیے دینی مراکز علوم کے علاوہ علوم عصریہ سے واقفیت کے لیے نرسری اسکول ٹیکنیکل کالج مناسب فنون، دستکاری اور دیگر روزگاری علوم کی طرف توجہ دیں۔ اپنے وسائل کو فضول دنیاوی رسموں پر خرچ کرنے کی بجائے راہ مولیٰ میں خرچ کرتے ہوئے اپنے ہاسپٹل اور دیگر ملی، رفاہی، ادارے قائم کریں۔

آج جب کہ مٹھی بھر دہشت گرد نفرت واختلاف اور فرقہ پرستی کو ہوا دے کر ملک کے سادہ لوح عوام میں اشتعال اور فتنہ وفساد برپا کرنے میں مصروف ہیں، ان حالات کے پیش نظر اپنے مذہب کے مکمل پیروکار ہو کر اعلیٰ اخلاق پاکیزہ کردار نیز انسانی ہمدردی کے دینی اصولوں کا بھر پور مظاہرہ کریں۔ (جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء)

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت: ایک عظیم فتنہ

اللہ عزوجل کے محبوب دانائے خفایا وغیوب سرورِ کائنات روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دروازہ ہے جسے توڑ دیا جائے گا اس کے بعد فتنوں کا ایسا عظیم سیلاب اُمڈ پڑے گا کہ جسے روکا نہیں جاسکتا......سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے کسی صحابی نے عرض کیا حضور وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا کھول دیا جائے گا، غالبًا یہ سوال اس لیے تھا کہ اگر دروازہ کھول دیا جائے تو بند کیا جاسکتا ہے اور اگر توڑ دیا جائے تو پھر بند کرنا ناممکن ہو جاتا ہے......سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا......پھر فرمایا وہ دروازہ عمر ہیں۔

مفہوم حدیث بالکل واضح ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مضبوط دروازہ تھے کہ آپ کی حیات ظاہری تک سارے فتنوں کا سدِ باب ہو چکا تھا، مگر جیسے ہی آپ کی شہادت رو نما ہوئی اس قدر فتنے ظہور پذیر ہوئے کہ پوری دنیا فتنوں کی آماجگاہ بن گئی۔ آئے دن نت نئے فتنے جنم لینے لگے اور آج کا ماحول تو اس قدر فتنوں میں گھرا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ، خصوصاً اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ جو کہ ہر دور میں مختلف انداز سے سر اٹھاتا رہا۔ اہلِ ایمان کی دل آزاری اور ان کے قلوب سے عشقِ رسول کی شمع کو گل کرنے کے لیے یہ فتنہ کفار و مشرکین کا سب سے بڑا ہتھیار رہا ہے۔ مگر جب تک نزولِ وحی کا زمانہ رہا اس وقت تک ہر گستاخِ رسول کا دنداں شکن جواب قرآنِ مقدس کے اندر خود اللہ عزوجل نے اس انداز سے پیش فرمایا کہ اس کی اصلیت واضح ہوگئی اور وہ قوم میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ گیا اور ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی عطا فرمائی کہ اے محبوب آپ ان باتوں سے مغموم نہ ہوں اس لیے کہ

یہ قوم آپ سے پہلے بھی انبیاے کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کرتی رہی ہے۔
آج پھر کچھ بد باطن و بد بخت توہین آمیز خاکے تیار کر کے ان کی نسبت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر رہے ہیں۔ان ظالموں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ کوئی خاکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل کیوں کر ہوسکتا ہے۔جب کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے سایہ پیدا فرمایا ہے۔آپ کی کوئی شبیہ یا تصویر دنیا میں ہے ہی نہیں تو پھر کوئی خاکہ کیا بنا سکتا ہے۔یہ سب کام مسلمانوں کی دل آزاری کر کے فساد برپا کرنے کے لیے کیے جا رہے ہیں،مگر ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ اس موقع پر چند مسلمان خصوصاً اردو اخبار والوں نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ ''رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کارٹون بنا کر توہین کی جا رہی ہے'' معاذ اللہ رب العالمین اس طرح کے الفاظ کا استعمال بھی توہین و گناہ ہے،کیونکہ وہ کارٹون ایک توہین آمیز خاکہ تو ہے مگر اس کو حضور کی طرف منسوب کرنا یہ سب سے بڑی حماقت اور گناہ ہے۔ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال پیدا کیے گئے،کوئی چیز ان کے مثل ہو ہی نہیں سکتی تو اس خاکہ کو کیا نسبت۔''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ کے استعمال سے گریز کریں۔

اعتراف حقیقت سے چشم پوشی کب تک؟:

ڈنمارک سے جیسے ہی توہین آمیز خاکے اخبارات میں شائع کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کی غیرت ایمانی بیدار ہوگئی۔ہر طرف احتجاج اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔غالباً دنیا کے ہر اس خطہ میں احتجاج ہوا جہاں کہیں بھی سچے محبانِ رسول اور غلامانِ مصطفےٰ موجود ہیں۔ان احتجاجات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جماعت اہل سنت کا ایک اصل اور اہم عقیدہ ظاہر ہوگیا جو کہ معیارِ ایمان بھی ہے،وہ یہ کہ مومن کا اصل سرمایہ ہی محبت رسول ہے اور مومن جان دینا تو گوارہ کر لیتا ہے مگر اللہ عز و جل اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین و گستاخی ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔آج کے ان حالات سے سبق حاصل کرتے ہوئے اب تو ان نام نہاد مسلمانوں کو اپنے دل کی آنکھیں کھول کر اپنے کفری عقائد کا بنظر انصاف جائزہ لینا چاہیے،جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز الفاظ لکھ کر کتابیں شائع کر چکے ہیں بلکہ

انہیں کو اپنے مشن کی اصل بنیاد قرار دے چکے ہیں۔ دراصل انہیں ظالموں نے دوسری قوموں کو اہانتِ رسول کا راستہ دکھایا ہے۔ ورنہ دوسروں کو کیا جرأت ہوتی۔

تاریخ کا ایک نصیحت آمیز باب:

آئے دن کے فتنے اور حادثات ہمیں بیدار کر رہے ہیں اور یہ سبق دے رہے ہیں کہ محبت رسول میں سرشار ہو کر اپنے مرکز و محور سے جڑے رہیں ورنہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے، کیوں کہ تاریخ اسلام کے زریں اوراق شاہد ہیں کہ مسلمانوں کے دور غلبہ میں اگر عیسائیوں، یہودیوں کو کسی چیز سے خوف تھا تو وہ عشق رسول کے عظیم جوہر سے، کیوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں جب تک عشقِ رسول کی شمع روشن ہوتی ہے انہیں کوئی طاقت شکست سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ اسلام دشمن عناصر نے اس بات کا تجربہ کر لیا کہ مسلمانوں کو زیر کرنے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ ہے کہ عشقِ رسول کا عظیم جوہر ان سے چھین لیا جائے۔ قلندر لاہوری اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تڑپ اٹھے:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدی اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

ایک تلخ حقیقت:

آج قومِ مسلم کے حالاتِ زندگی، طرزِ عمل، افکار و نظریات اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ عشقِ رسول و محبتِ رسول کی حرارت دن بدن سرد پڑتی جا رہی ہے۔ بلکہ بعض قلوب سے تو وہ بالکل رخصت ہو چکی ہے۔ ابھی چند روز قبل بمبئی کی سرزمین پر اہانتِ رسول کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آزاد میدان میں جمع ہوئے، پُر جوش خطابات ہوئے۔ بلاشبہہ یہ ایک تاریخی اور مثالی احتجاج تھا۔ گستاخانِ رسول کی مذمت کرتے ہوئے ایک اعلان یہ بھی ہوا کہ اسلام دشمن عناصر کی کمر توڑنے کے لیے ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ جن کی ایک طویل فہرست بھی پیش کی گئی۔ سب نے وعدہ بھی کیا کہ اب غیر ملکی مصنوعات کا خریدنا بالکل بند کر دیں

گےلیکن انتہائی افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ جوقوم جذبۂ حب رسول میں گستاخانِ رسول سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے غیر ملکی مصنوعات کا بالکل بائیکاٹ کرنے کا عہد کر رہی ہے وہی قوم اپنے رسول کے اسوۂ حسنہ کوترک کر کے اسلام دشمن عناصر و گستاخانِ رسول انگریزوں کی تہذیب و کلچر کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی بسر کر رہی ہے بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے ہی میں اپنی دنیوی ترقی محسوس کر رہی ہے۔ بھلا اس قوم سے وفاداری کی امید کیوں کر کی جاسکتی ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ پہلے غیر ملکی تہذیب و کلچراوران کے گھناؤنے ماحول کا بائیکاٹ کیا جاتا ان کے انسانیت سوز کردار کی نقالی سے نفرت کی جاتی تو یقیناً ہمارے دعویٰ کی سچائی کا مظاہرہ بھی ہوتا اور قول و عمل میں تضاد ظاہر نہ ہوتا۔

اتحاد ایک عظیم قوت ہے:

اس تاریخ ساز احتجاج میں اس بات کا بھی اظہار کیا گیا کہ آج ہم تمام مسلمانوں کو متحد ہونے کی ضرورت ہے، بغیر اتحاد کے ہم دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ قول حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ و الرضوان ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت''۔ لیکن اتحاد کا جو عظیم جوہر ہے اس کے اندر نکھار پیدا کرنے کی بے انتہا ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مقدس ولا زوال چشمے قرآنِ حکیم اور نائبِ پروردگار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے فکری و عملی طور پر وابستگی بے پناہ مضبوط ہوجائے اور یہودی و مسیحی منصوبہ سازوں کی مادی طاقتوں کے مقابلہ میں اپنی روحانی قوتوں میں اضافے کی کوشش ہو، کیوں کہ یہی وہ عظیم جذبہ ہے جو ہمارے ایمان، ہماری روایات اور ہماری تاریخ کو زندہ و تابندہ رکھے ہوئے ہے۔ آج کے حوادث و فتنوں کی تیز آندھیوں اور طوفان میں ہمیں اپنے سفینۂ ایمان کی رفتار کو خوب تیز کرنا ہوگا اور یہودی عیاروں اور مسیحی شاطروں کو یہ بتانا ہوگا کہ:

کہیں پھونکوں سے بجھتی ہے تجلی نورِ ایماں کی
ہوا رو کے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلماں کی

اور جملہ مسلمان ان عقائد پر متفق ہو جائیں جو عقائد ہمیں صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ملے ہیں، جن کی تشریح ائمۂ مجتہدین و فقہائے اسلام نے پیش فرمائی ہے۔ یہی وہ اتحاد ہے جو ہمیں حیات کا سامان فراہم کرسکتا ہے اور دونوں جہاں میں سرخروئی و

سرفرازی کا ضامن ہوسکتا ہے۔اسی کی طرف اشارہ کیا ہے قلندر لاہوری نے:

ایک ہو جائیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

دعوتِ عمل:

آج جب کہ غیر مسلموں کا تعصب نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے، ہماری تحقیر و تذلیل اور تباہی و بربادی کے منصوبے مکمل بنائے جا چکے ہیں، ان کربناک حالات کے پیشِ نظر مفکرین و دانشورانِ قوم و ملت کو چاہیئے کہ اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر کے اسی اتحاد کی کوشش کریں اور ہر میدان میں قدم آگے بڑھائیں۔ اگر ہم اس اتحاد کی کوشش میں کامیاب ہو گئے تو ان شاء اللہ العزیز بہت جلد اس کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔ ابھی تو معمولی اتحاد کا عالم یہ ہے کہ کفار پر خوف طاری ہو گیا، ان کے گرو گھنٹال بوکھلا گئے، کسی نے اس کو اپنے لیے خطرے کی گھنٹی تک کہا۔ کاش محبتِ رسول و تعظیم رسول سے سرشار مکمل مطیعِ رسول بن کر ہم متحد ہو جائیں تو اس وقت ہمارے رعب و دبدبہ کا عالم کیا ہوگا؟۔ بحمدہٖ تعالیٰ تحریک ''سُنی دعوتِ اسلامی'' اسی اتحاد کی داعی ہے جس کا اصل نصب العین احیاء عشقِ رسول و سنتِ رسول ہے۔ جملہ فرزندانِ اسلام سے گزارش و مؤدبانہ اپیل ہے کہ اس تحریک سے منسلک ہو کر اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے ایمان و عقائد کا تحفظ کریں اور جادۂ آخرت کے حق دار ہوں۔ واللہ الموفق وھو المعین. (اپریل تا جون ۲۰۰۶ء)

ہندوستان کی جمہوری بنیادوں پر فرقہ پرستوں کی تیشہ زنی

آج پوری دنیا میں ملک ہندوستان ایک سب سے بڑا سیکولر اور جمہوری ملک سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس ملک کی بنیاد ہی جمہوری قوانین پر رکھی گئی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ظالم انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے اس ملک کو آزاد کرانے میں امیر، غریب، چھوٹے بڑے تقریباً سارے مذاہب کے ماننے والوں نے حتی المقدور اپنی اپنی قربانیاں پیش کی تھیں۔ جس کے نتیجہ میں تمام ہندوستانی باشندوں کا ماحول گنگ وجمن کے صاف وشفاف پانی کی طرح تھا، یہ وہ دور تھا کہ مذہبی منافرت کا کہیں دور دور تک نام ونشان نظر نہیں آتا تھا، باہمی الف ومحبت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ دلوں میں موجزن تھا۔ فرقہ وارانہ فسادات کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھے، ہر باشندہ حب الوطنی کا بے پناہ مظاہرہ کرتا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا تو ملک کے لیے ایک عمدہ اور غیر جانب دارانہ دستور اساسی مرتب کیا گیا پھر ۱۹۵۰ء میں اس کا نفاذ عمل میں آیا اس دستور اساسی کے دفعات میں سے یہ بھی ہے کہ ملک کے اندر آباد ہر فرقہ اور ہر اہل مذہب کو اپنے اپنے دین پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی دی گئی ہے۔ نیز اس دستور میں ہر مذہب کے مذہبی قوانین واحکام کے تحفظ وبقا کی ضمانت بھی شامل ہے، اور کسی کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت کا کسی کو کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس دستور اساسی پر جب تک عمل ہوتا رہا پورا ملک امن وسکون کا گہوارہ تھا کیونکہ قانون کی خلاف ورزی پر سزا کا خوف اس قدر شدید تھا کہ کسی کو اس کی خلاف ورزی کی ہمت وجرأت ہی نہ تھی۔ مگر زمانے نے جیسے ہی کروٹ بدلا آزادئ ہند کے چند ہی سال

بعد کچھ مسلم دشمن عناصر نے جن کے سینوں میں مذہبی منافرت کا لاوا ابل رہا تھا،فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانا شروع کردی، دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک کا ماحول تعصب وتنگ نظری، دشمنی وخونخواری میں بدل گیا جس کے سبب ہندوستان کی جمہوری ساخت پر بھی کافی گہرا اثر پڑا،ایسا کیوں ہوا؟اس کا جواب صرف یہ ہے کہ فرقہ پرستوں کواس ملک میں بے لگام کشت وخون کرنے کرانے اورنفرت انگیز بنیادوں پر تنظیمیں اور تحریکیں بنانے کا خوب خوب موقع ملا۔ انہیں کے ذریعہ فرقہ وارانہ فسادات رُونما ہوئے۔جن میں کھلم کھلا مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ان فسادات کا یک سرسری جائزہ لینے پر پتہ چلتا ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کے بچے، بوڑھے عورتیں فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ گئے ،کھربوں روپیوں کی املاک وجائداد تباہ وبرباد کردی گئی۔ایک اخبار کے بیان کے مطابق بھاگل پور کا فساد تاریخ ہند کا سب سے بھیانک انسانیت سوز فساد بتایا گیا ہے،جس کی تفصیلات سننے کے بعد روح کانپ اٹھتی ہے اور کلیجہ دہل جاتا ہے۔

ہندوستان کو ظالم انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرانے میں جس قوم نے حب الوطنی کے جوش میں سب سے زیادہ قربانیاں پیش کی تھیں،جس نے اپنے ہم وطنوں کو غلامی سے آزاد کرانے میں اپنا خون جگر پیش کیا تھا۔آج اس قوم کو غدار وطن اور دہشت گرد کہہ کر ظلم کی چکیوں میں پیسا جارہا ہے ۔آج اس قوم کا دین محفوظ ہے نہ جان ومال محفوظ ہے۔ان حالات سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ملک کی جمہوری بنیادیں متزلزل ہوچکی ہیں اور ملک کا قانون مجبور محض ہوکر رہ گیا ہے۔قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ جب حکومت ہی اس قانون کے نفاذ کی کوشش نہ کرے اور فرقہ پرستوں کی چیرہ دستیوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائے تو صفحات قرطاس پر لکھا ہوا قانون بے چارہ کیا کرے گا بلکہ اب تو ایسا محسوس کیا جارہا ہے کہ ملک کے دستور اساسی پر فرقہ پرستوں کی مکمل اجارہ داری ہوچکی ہے، کیونکہ وہ جو چاہتے ہیں کروالیتے ہیں، ان کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے،ان کے برخلاف اگر کوئی مسلمان اپنے مذہب سے محبت ووفاداری کا اظہار کرے یا تبلیغ دین کی کوشش کرے تو وہ معتوب ہوجاتا ہے۔اسی طرح آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے مذہب سے انحراف پر آمادہ کرنے کے لیے کئی فرقہ پرست تنظیمیں اور تحریکیں وجود میں آچکی ہیں۔اور اپنے مشن کے مطابق کھلے بندوں کام کررہی ہیں وہ چاہیں ترشول تقسیم کریں یا تلوار ان کے لیے کسی قسم کی کوئی پابندی

نہیں ہے،لیکن اگر جمہوریۂ ہند کے ضابطوں کے حدود میں رہ کرکوئی مسلمان تبلیغ دین کا کام انجام دے پھرازخودکوئی تبدیلیِ مذہب کرتا ہے تواس پرقدغن لگایا جاتا ہے،اورسخت پابندی عائد ہوجاتی ہے جب کہ سیکولر ہندوستان کے دستور اساسی میں ضابطوں کے حدود میں رہ کر ہراہل مذہب کو یہاں پر مذہبی تبلیغ کی مکمل آزادی حاصل ہے۔دستوراساسی میں یہ بھی مندرج ہے کہ ہر مذہب کے پرسنل لاء کا احترام کیا جائے گا۔اوران کے پیروکاروں کوان کے پرسنل لاء کے مطابق ہی فیصلہ دیا جائے گا۔مگرآج کچھ معاملات میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کے خلاف فیصلے نافذ ہورہے ہیں۔ جیسا کہ ابھی چندروزقبل ایک مسلمان کے اپنی بیوی کوطلاق مغلظہ دینے کے بعدبھی اس کواپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ رہنے کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ اس کے لیے سیکوریٹی بھی فراہم کی گئی۔اس میں ان کا مقصدصرف یہی ہے کہ دنیاوالوں کو یہ باورکرایا جائے کہ مسلمان خوداپنے مذہب سے بیزار ہے اس پرعمل کرنانہیں چاہتا ہے،لہٰذاان احکام کو بالائے طاق رکھ دیا جائے،حالانکہ یہ مسلم پرسنل لاء میں بیجا مداخلت ہے۔لیکن سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ عدالت عالیہ کے فیصلے کے باوجودفرقہ پرست تنظیمیں اس کے خلاف اپنا کام جاری رکھتی ہیں مگر ان کی کوئی گرفت نہیں ہوتی،جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ بابری مسجد کے منہدم کرنے کا فیصلہ عدالت عالیہ نےنہیں سنایا تھا،بلکہ منہدم نہ کرنے کا فیصلہ دیا تھا۔مگراس کے باوجودفرقہ پرستوں نے منہدم کردیااوراورآج تک وہ آزادگھوم رہے ہیں۔ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی ہے۔اورادھرآرایس ایس کے ہیڈکوارٹرپرابھی حملہ بھی نہیں ہوافرضی دہشت گردوں کوموت کے گھاٹ اتاردیا گیااس کے باوجود آج تک بےقصورمسلم نوجوانوں کوصرف شبہے میں گرفتارکرکے جیل کی سلاخوں میں بند کیا جارہا ہے،کیا جمہوریت کا انصاف یہی ہے؟اسی طرح ملک کی فضا کومکدرکرنے کے لیے ناندیڑ میں آرایس ایس کے بم بنانے کے اڈہ میں بم دھماکہ ہواسارےشواہد دستیاب ہوئے اس کے باوجود حکومت خاموش ہے۔اورادھر مالیگاؤں سے بےقصورمسلم نوجوانوں کوگرفتارکرکےان کے ماں باپ کوخون کے آنسوُرلایا جارہاہے۔اس طرح کی اورکئی مثالیں ہیں جن سے یہ ظاہرہوتا ہے کہ سیکولرملک کا دستوراساسی فرقہ پرستوں کا کھلونا بن کررہ گیا ہے،جس وقت جیسا چاہیں وہ استعمال کرتے ہیں،یہی وہ معاملات ہیں جن کے سبب ہندوستانی جمہوری قدریں رفتہ رفتہ بےوزن ہوتی

جارہی ہیں اور گنگا جمنی تہذیب خون کے آنسو رونے پر مجبور ہے۔

ہمارے سیکولر ملک میں آئے دن کے فسادات اور دہشت گردوں کی کثرت کو دیکھ کر ہر امن پسند شہری کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہے کہ آج دہشت گردی کی فضا ہمارے ملک میں اس قدر عام کیوں ہوتی جارہی ہے؟ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق اس کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ ہندوستانی باشندوں کے درمیان نفرت کا بیج بو کر جمہوری بنیادوں پر تیشہ زنی کرنے والی فرقہ پرست تنظیموں اور ملک میں دہشت گردی پھیلانے والی جماعتوں اور افراد پر جب تک مکمل پابندی عائد نہیں ہوگی اس وقت تک سرزمین ہند پر امن وسکون کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

آج ہر امن پسند ہندوستانی شہری کی خواہش اور تمنا یہی ہے کہ ہندوستان جنت نشاں سے دہشت گردی کا خاتمہ ہو اور اس کی جمہوری بنیادیں مضبوط ہوں اور فرقہ پرستوں کو کسی طرح کی کوئی مہلت نہ مل سکے۔ یقیناً اس کے لیے کچھ قربانیوں کی ضرورت ہے وہ یہ کہ سرزمین ہند پر پھیلی ہوئی مسموم اور زہریلی فیکٹریوں کے خاتمہ کے لیے تمام امن پسند شہری سیکولر بنیادوں پر متحد ہو جائیں سیاسی اور معاشی ہر اعتبار سے اپنی بنیادیں مضبوط کرتے ہوئے فرقہ پرستوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملادیں، خصوصاً مسلمانوں کے اتحاد کی بے حد ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس ملک میں مسلمانوں کا صرف سیاسی مسئلہ ہی نہیں بلکہ مذہبی مسئلہ بھی ہے۔

عام مسلمان کیا کریں:

مذکورہ سنگین حالات کے پیش نظر غزالیٔ دوراں نباض قوم حضرت علامہ بدرالقادری مصباحی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''مسلمان اور ہندوستان'' میں مسلمانوں کے لیے چند اہم پیغامات پیش فرمایا ہے۔ جن کا ذکر مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں اس لیے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر ہم کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

(۱) مسلمان اپنے مکان وزمین سے زیادہ مساجد، مدارس، مقابر اور اوقاف کی حفاظت کریں ان کے گرد ممکنہ دیواریں چہار دیواریاں کھڑی کر کے انہیں محفوظ رکھیں۔

(۲) ملک گیر تنظیم المساجد بنائیں۔

(۳) ہر علاقہ کی مساجد، مدارس، مقابر وغیرہ کا رجسٹریشن کرائیں۔

(۴) اپنی تمام موقوفہ جائداد کے سلسلہ میں تلاش و جستجو کریں اور انہیں برباد ہونے سے بچائیں۔

(۵) غیر آباد مساجد کو بھی آباد کرنے کا بندوبست کریں۔

(۶) مسلمانوں کے جن علاقوں میں مسجدیں نہ ہوں وہاں نئی مسجدیں تعمیر کریں۔

(۷) مساجد کی تعمیر، مرمت، اور حفاظت میں دل کھول کر مدد کریں۔

(۸) ٹی، وی اور ویڈیو سے ناجائز و حرام پروگرام دیکھنے اور سننے کی بجائے قرآن مجید اور اپنے دین کی تعلیم میں وقت عزیز کو خرچ کریں۔

(۹) اپنے دین اور شعائر اسلام کی حفاظت کے لیے ہر جانی و مالی قربانی کا حوصلہ پیدا کریں۔

(۱۰) مسلمان بن کر زندگی گزاریں، اور اسلام ہی پر خاتمہ بالخیر کی دعا کریں۔

علمائے اسلام سے التماس:

علمائے اسلام پر اس وقت سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ ملت مسلمہ کو غیرت وحمیت کا نیز اسلامی آئین کی روشنی میں حفاظت و بقا کا درس دیں، اسلامی اصول حیات، ہجرت اور دین و مذہب کے لیے جذبۂ ایثار کو ابھاریں، اور مسلمان ہونے کے سبب سے ہم پہ جو آفتیں اور پریشانیاں آرہی ہیں وہ دراصل خداوند قدوس کی کن نعمتوں کا پیش خیمہ ہیں اسے واشگاف کریں۔ ماضی کے ناعاقبت اندیش مسلم لیڈروں کی سیاسی غلطیاں کریدنا لاحاصل ہے، بلکہ ہمیں اب محض مستقبل کے ہندوستان میں اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ایک روادار پڑوسی، ایک ذمہ دار اور باعزت شہری کی حیثیت سے جینے کی راہیں استوار کرنی چاہئیں۔

اپنی آپسی چپقلش کو دور کریں معمولی معمولی باتوں پر اختلاف، گروپ بندی، ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کرنا کسی کی پگڑی اچھالنا ان سب معاملات سے بلند و بالا ہو کر خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین وملت کی بے لوث خدمت میں اپنے آپ کو وقف کرلیں، دنیا کی لالچ، امرا کی چاپلوسی، دین میں مداہنت، عجب اور تکبر کو ہرگز دل میں جگہ نہ دیں۔ بلکہ سرکار دوعالم کے اخلاق حسنہ کا بھرپور مظاہرہ کریں۔ ان شاء اللہ پھر کبھی اپنی قوم کو صحیح قیادت کے فقدان کی شکایت نہ رہے گی۔

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء)

اسلامی معاشرہ اور منفی اندازِ فکر

محسنِ انسانیت سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سوسال پہلے جب اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی تو سب سے پہلے دین کے بنیادی اصولوں کو پیش فرمایا تاکہ کفر وشرک کی تیز وتند ہوائیں صالح معاشرہ کی بنیادوں کو متزلزل نہ کرسکیں اور ظلم و بربریت اور بے حیائی کی بادِ سموم اسلامی معاشرہ میں تعفن نہ پیدا کر سکے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہی اسلامی معاشرہ معراجِ انسانیت کے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔

وہ دین کے بنیادی اصول کیا تھے؟ خدائے واحد کی عبادت و پرستش کا اقرار اور اسی کو خالق و مالک وکارساز اور معبودِ حقیقی مانا جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا برگزیدہ بندہ اور اس کا رسول تسلیم کیا جائے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار نیز اس پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش ہوتی رہے، حقوق العباد میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اور جو چیزیں قطعاً حرام ہیں مثلاً سود، زنا، چوری، دغابازی، رشوت خوری اور بُرائی اور بے حیائی کے کاموں سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے۔ اپنے آپ کو ان تمام رذائل سے پاک وصاف کر لینے کے بعد عمدہ اخلاق وکردار سے آراستہ ہونے کے لیے حصولِ علم کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ علم کی نورانی کرنوں کے سبب معاشرہ میں بسنے والے انسانوں کو وحشت و بربریت سے بلند تر ہو کر انس ومحبت اور باہمی حقوق کی پاسداری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ حاصل ہو سکے۔ دین کے ان بنیادی اصولوں کو پیش کرنے کے بعد رب ذوالجلال کی جانب سے دین کی تکمیل کا اعلان بایں طور ہوا کہ ''**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**'' آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

پھر اس پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"مــــن احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو رد"

جس نے ہمارے دین میں کسی ایسے عقیدے یا نظریے کی ایجاد کی جس کا تعلق دین کے بنیادی اصول سے نہیں ہے اسے رد کیا جائے گا۔(بخاری ومسلم)

حدیثِ پاک سے یہ واضح ہوگیا کہ دین کے بنیادی اصولوں سے انحراف کی کوئی گنجائش باقی نہیں بلکہ انحراف کا کوئی دروازہ کھل سکتا ہے تو سب سے پہلے اس کا سدِ باب کیا جائے ورنہ پورا اسلامی معاشرہ کفروشرک کے ناپاک دلدل میں پھنس کر پوری طرح خسارہ کا شکار ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیب داں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد آنے والے دور کے حالات سے آگاہ فرماتے ہوئے اپنے غلاموں کی رہنمائی فرمائی ارشاد فرماتے ہیں"فــان خیــر الـحدیث کتـاب الله و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ و شـر الامور محدثاتھا و کل محدثة بـدعة و کـل بدعة ضلالة" یعنی بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے عقیدے یا نظرئے گڑھ لیے گئے ہوں اور ہر نیا عقیدہ بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ان تاکیدات کی وجہ یہ تھی کہ بسا اوقات بہت سی نئی چیزیں انسانوں کو اپنے مرکز ومحور سے دور کر دیتی ہیں پھر انسان ان نئی چیزوں میں ہی اپنی حقیقی ترقی اور کامیابی تصور کرنے لگتا ہے حالاں کہ وہ چیزیں اس کو انسانیت کے مقام بلند سے دور کر کے تنزلی کے عمیق غار میں ڈھکیلنے والی ہوتی ہیں۔

عہدِ رسالت میں تشکیل پانے والا وہ اسلامی معاشرہ جس نے عالمی سطح پر سیاسی، معاشی، اقتصادی اور اخلاقی انقلاب برپا کیا تھا اس معاشرہ میں پروان چڑھنے والے فرشتہ صفت انسانوں کا حال یہ تھا کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے اخلاقِ حسنہ کو ہی اپنی سب سے عظیم دولت سمجھتے تھے۔اس دولت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی کے لیے اپنی جانوں کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ سرخروئی وسرفرازی اور حقیقی کامیابی ان کا مقدر بن چکی تھی۔مگر آج اسی اسلامی معاشرہ میں گردشِ ایام اور مادّیت کی ظاہری چمک دمک کے سبب اس قدر تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں کہ آج کے اسلامی معاشرہ میں پروان

چڑھنے والے کچھ افراد دین کے بنیادی اصولوں پر عمل اور اپنی اصل امانت کی ادائیگی کو قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کا نام دے کر شیطان لعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری تیاریاں کر چکے ہیں۔

قدامت پسند یا بنیاد پرست جس کو انگریزی زبان میں Fandamentalist کہا جاتا ہے، یہ دنیا داروں کے عرف میں اعلیٰ تہذیب وتمدن سے عاری ایک گنوار انسان کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ دانشوروں کے عُرف میں قدامت پسندی ایک حُسن ہے۔ اس لیے کہ جس قوم یا ملک کے بنیادی اصول نہ ہوں وہ قوم سب سے زیادہ بے راہ روی اور افراتفری کا شکار ہوتی ہے، جس کا کوئی روشن مستقبل نہیں ہوتا۔

آج ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے اندر یہ منفی اندازِ فکر کیوں جنم لے رہا ہے؟ اور سب سے بڑا المیہ تو یہ ہے کہ ہماری قوم کے بعض نام نہاد رہنما جو ظاہری وضع قطع کے سبب علما کی فہرست میں شمار کیے جاتے ہیں وہ دنیا کی لالچ اور دنیا داروں کی ظاہری شان وشوکت اور ان کی جدت پسندی کو دیکھ کر دین کے بنیادی اصولوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر انہیں جدت پسندی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں اور کچھ دنیا دار مسلمان تو یہی چاہتے ہیں کہ انہیں اسلامی اصولوں سے ہٹ کر مغربی تہذیب کو اپناتے ہوئے دنیوی ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں وہ کفر وشرک کے شعار اور بدعقیدگی کے مہلک اثرات سے بچنے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنانے میں ہی اپنی ترقی اور کامیابی سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کو قدامت پسندی یا دقیانوسی ذہنیت جیسے الفاظ کا استعمال کر کے طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ جب کہ سرورِ کائنات محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سخت انداز میں ارشاد فرمایا "من تشبه بقوم فهو منهم"، جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لے وہ انہیں میں سے ہے۔

آج ہم پوری دنیا میں سَتائے جا رہے ہیں، ہماری تباہی کے سارے منصوبے بنائے جا چکے ہیں، ہمیں ہر طرح سے مفلوج کر کے ذلیل ورُسوا کرنے کی ناپاک کوششیں کی جا رہی ہیں اور ہم در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم اپنے خدا اور سول کی تعلیمات کو دقیانوسی یا قدامت پسندی کہنے پر تُلے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کفار اور یہود ونصاریٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی

تمام تر توانائیاں صرف کررہے ہیں اوراللہ رب العزت کے اس فرمان عالیشان کو یکسر فراموش کر چکے ہیں "و الله و رسوله احق ان یرضوه" اللہ اوراس کے رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے۔

اورہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ ہم جدت پسندی یا اپنے آپ کو موڈرنیٹ Modernet کہہ کر یہود ونصاریٰ کو راضی نہیں کر سکتے اور بفرض محال وہ راضی بھی ہو جائیں تو ان سے کسی قسم کے خیر یا بھلائی کی اُمید بالکل نہیں ہے۔ کیوں کہ رب قدیر ذوالجلال والاکرام نے حتمی فیصلہ فرما دیا ہے کہ "لن ترضی عنک الیھود و لا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم" آپ سے یہود ونصاریٰ اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ ان کا دین اختیار نہ کرلیں۔ آج پوری دنیا کی باطل قومیں یہی چاہتی ہیں کہ مسلمان مسلمان نہ رہے بلکہ ہمارے زمرہ میں آجائے۔ اسی لیے اگر کوئی بنام مسلمان جو مذہب سے پہلے ہی سے دور ہے بتوں کی پوجا کرلیتا ہے یا کفری شعار اپنا لیتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ پھر میڈیا میں بڑے شدومد کے ساتھ اس کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ فلاں مسلمان نے ہمارے مذہب کو حق اور صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ (معاذ الله رب العالمین)

ان کرب ناک حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد فقیر برکاتی اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے اسلامی معاشرہ میں یہ منفی اندازِ فکر دینی تعلیم وتربیت سے دوری اور خالقِ اسباب پر اعتماد و بھروسہ کرنے کے بجائے اسبابِ دنیا پر بھروسہ کرنے کی بنیاد پر ہے۔

دانشورانِ اسلام کی اہم ذمہ داری:

ہماری قوم کے جتنے دانشور حضرات ہیں خواہ وہ علما ہوں یا غیر علما، مگر دین داری اور حق پسندی کے پیکر ہوں، ان کی ذمہ داری کتنی بڑھ گئی ہے، سب کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہے کہ ہمارے معاشرے میں پروان چڑھنے والے ہر فرد کی فکر اسلامی ہو اور وہ جدید ذرائع تعلیم کو اسلامی نظریات کے سانچے میں ڈھال کر اپنی قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرانے کی کوشش کرے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جتنے شعبے ہیں ہر شعبہ میں دین کے بنیادی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے خوب خوب مہارتِ تامہ حاصل کرے پھر اس میں اپنی پوری

محنت صرف کرتے ہوئے خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ ایسے فارمولے ایجاد کرے کہ دنیا کی دوسری قومیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہوں مگر اس بات کا خیال ضرور رکھیں کہ اس ترقی کے حصول کے بعد اپنے اندر عُجب اور تکبر نہ پیدا ہونے پائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو، اس کے لیے دینی تعلیم وتربیت کا مکمل اہتمام ہو۔ میں پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہمارے معاشرہ کے اندر یہ مثبت اندازِ فکر پیدا ہو جائے تو ان شاء اللہ العزیز ایک عظیم سماجی و اقتصادی اور سیاسی انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ پھر کوئی قوم یا کوئی سیاسی پارٹی ہمارا استحصال نہ کر سکے گی اور ہم اپنے جائز مطالبات ان سے منوا سکتے ہیں۔

دانشورانِ قوم وملت سے ہماری پُرخلوص اپیل یہ بھی ہے کہ مثبت اندازِ فکر میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیزیں شرعاً ناجائز وحرام یا بدعت سیئہ نہیں ہیں اُن پر ناجائز وحرام یا بدعت سیئہ کا فتویٰ لگا کر اسلامی معاشرہ کو اختلاف وانتشار کا شکار نہ بنائیں کیوں کہ یہی چیز ہماری ترقی میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ اب بھی اگر ہم نے منفی اندازِ فکر سے اجتناب نہ کیا تو یقیناً سیاسی اتحاد کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی پھر ہمارا دینی مفاد حاصل ہوسکتا ہے نہ دنیوی۔ مثبت اندازِ فکر کا ایک انوکھا سبق مفکرِ قوم وملت ڈاکٹر اقبال نے بہت پہلے ہمارے سامنے پیش کیا تھا۔ اس پر ہی عمل ہو تو ایک انقلاب عظیم برپا ہوسکتا ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد سے اُجالا کر دے

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء)

سچر کمیٹی کی رپورٹ،کون کتنا خطاوار؟

مسلمانوں نے اپنے ملک ہندوستان کی آزادی سے لے کر ملک کی ترقی اور فلاح و بہبودی کے لیے جوعظیم قربانیاں پیش کی ہیں وہ نا قابل فراموش ہیں ،ہمارے علما اور اکابر نے دیش کی آزادی کے لیے پھانسی کے پھندے کو گلے کا ہار سمجھ کر اپنی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا ، یہاں تک کہ ان شہیدوں کا خون رنگ لایا اور ہندوستان انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہوا۔ پھر اس ملک کے اندر امن وامان ،محبت واُخوت قائم کرنے کے لیے بے پناہ مشقتیں اٹھائی گئیں تا کہ ہمارا ملک ترقی کی عظیم منزل پر گامزن ہو سکے۔

مگر آزادئ ہند کے بعد سے لے کر اب تک مسلمانوں کے ساتھ متعصّبانہ اور سوتیلا سلوک ہی برتا گیا ،کیوں کہ حکومتِ ہند کی سیاسی پالیسی مسلمانوں کے حق میں کچھ بدلی ہوئی نظر آتی ہے، آزادی کی تحریک کے دوران کانگریس نے اقلیتوں کے حقوق کے دستوری تحفظ کے لیے جو وعدے کیے تھے اور جو قراردادیں منظور کی تھیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۲۷/۲۸ /اگست ۱۹۴۷ءکو دستور ساز اسمبلی نے اقلیتوں کے لیے ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں سیٹوں کے ریزرویشن کی ضمانت دی تھی جو کہ دستور کے مسودہ (Draft Constitution) کے آرٹیکل ۲۹۲،۲۹۴ کی شکل میں ضبطِ تحریر میں آ گیا تھا۔مگر دسمبر ۱۹۴۸ء میں اس ایشو (Issue) کو دوبارہ موضوعِ بحث بنا کر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ مئی ۱۹۴۹ء میں اقلیتوں کے لیے سیٹوں کے ریزرویشن کی ضمانت ختم کر دی گئی۔اور یہ ضمانت صرف شیڈول کاسٹ (Sheddule Cost) اور شیڈول ٹرائب (Sheddule Tribe) کے لیے باقی رہی۔

اسی طرح سرکاری ملازمتوں میں مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے آدھے بھی نہیں

ہیں۔عدلیہ میں ان کی نمائندگی برائے نام ہے، پولیس اور فوج میں ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ وہ حقائق ہیں جن کو ہم بار بار حکومت کے سامنے پیش کر چکے ہیں،اور اب انہیں حقائق کو حکومت کی ایماپر جسٹس سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں پیش کیا ہے۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ:

مسلمانانِ ہند کی تعلیمی اور اقتصادی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے وزیرِ اعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ نے مارچ ۲۰۰۵ء میں ریٹائرڈ جج جسٹس راجندر سچر کی صدارت میں ایک اعلیٰ سطحی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی تھی،اس کمیٹی نے بڑی عرق ریزی اور دیانتداری کے ساتھ جو رپورٹ پیش کی ہے اس سے واضح ہے کہ مسلمان ہر میدان میں انتہائی شرمناک پسماندگی کا شکار ہیں کیوں کہ اس کمیٹی کے اعداد و شمار سے ہندوستانی مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آئی ہے وہ ملک کے دلتوں اور ہریجنوں سے بھی بدتر ہے۔مسلمان تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں تو قابلِ رحم حد تک سب سے کم ہیں لیکن جیلوں میں حیرت انگیز طور پر سب سے زیادہ ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی:

ہندوستانی مسلمان میدانِ تعلیم میں کس قدر پسماندہ ہیں اور ان کی پسماندگی کس رخ پر گامزن ہے اس کا سرسری جائزہ رپورٹ کے ان اعداد و شمار سے لیا جا سکتا ہے۔۱۹۶۵ء میں اسکول جانے والے مسلم طلباء کا تناسب شہروں میں ٪۲۷ فیصد تھا،جو ۲۰۰۱ء میں صرف ۸۰ فیصد ہے جب کہ درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لڑکوں میں یہ تناسب ٪۹۰ فیصد تک پہنچ چکا ہے اور دیگر طبقات کے ٪۹۵ فیصد لڑکے اسکول جا رہے ہیں اسی طرح ۱۹۶۵ء میں ٪۵۲ فیصد مسلم لڑکیاں اسکول جا رہی تھیں جو کہ اب ٪۸۰ فیصد کو پہنچ چکی ہیں جبکہ ۱۹۶۵ء میں درج فہرست ذاتوں اور قبائل کی صرف ٪۴۰ فیصد لڑکیاں اسکول میں ایڈمیشن (Addmission) لیتی تھیں لیکن اب ان کا تناسب ٪۸۳ فیصد تک پہنچ چکا ہے اور دیگر طبقات ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک پہنچ چکے ہیں اور ملک کے دیہی علاقوں میں اسکول جانے والے لڑکوں کا تناسب ۱۹۶۵ء میں ٪۶۰ فیصد تھا جو کہ ۲۰۰۱ء میں ٪۵۷ فیصد ہے جبکہ دوسری ذات اور قبائل میں یہ تعداد ۵۰ سے ۸۵ فیصد تک پہنچ گئی ہے اور دیگر طبقات میں ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک ہوگئی ہے اور دیہی علاقوں کی مسلم لڑکیاں ۱۹۶۵ء میں اگر ٪۳۲ فیصد اسکول

جاتی تھیں تو ۲۰۰۱ء میں ۶۸٪ فیصد اسکول جاتی ہیں جبکہ دوسری ذاتوں اور قبائل کی لڑکیاں ۱۹ سے ۲۷ فیصد اسکول جانے والی ہوگئی ہیں اور بقیہ طبقات میں یہ تعداد ۴۰ سے ۸۰ فیصد ہوگئی ہے۔ سچر کمیٹی کے یہ اعداد وشمار مسلمانوں کی اس قدر تشویشناک تصویر پیش کرتے ہیں جو کسی بھی ذی شعور دردمند ہندوستانی کے رونگٹے کھڑے کردینے کے لیے کافی ہے۔

سچر کمیٹی کے اعداد وشمار سے یہ ظاہر ہے کہ ملازمتوں اور سرکاری سہولتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری صرف ۳ فیصد سے ۶ فیصد کے درمیان ہے اسی طرح عدلیہ میں مسلمانوں کی موجودگی کس قدر کم ہے اس کا اندازہ اعداد وشمار کی بنیاد پر ہی لگایا جا سکتا ہے جیسا کہ رپورٹ سے ظاہر ہے، ۱۵/ ریاستوں کا میزان یہ ہے کہ مسلم ملازم ۸/ فیصد اور ڈسٹرکٹ سیشن جج صرف ۲.۷ فیصد ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ملک کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۱۴/ فیصد ہے اس کے برعکس ملک کی جیلوں میں ان کی آبادی تناسب سے کہیں زیادہ ہے۔

درحقیقت مسلمانوں کی پسماندگی سچر کمیٹی کی پیش کردہ رپورٹ سے بھی زیادہ ابتر ہے کیوں کہ سچر کمیٹی کی یہ رپورٹ اگر چہ بڑی دیانتداری کے ساتھ جمع کی گئی ہے مگر پھر بھی یہ بہت سے سرکاری محکموں اور بی جے پی ریاستوں سے مسلمانوں کے تعلق سے صحیح اعداد وشمار معلوم کرنے میں ناکام رہی ہے، بہر کیف یہ اعداد وشمار اس حقیقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں کہ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو ایک محدود دائرے میں سمیٹ دیا گیا ہے، اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، ان میں سب سے اہم وجہ مسلمانوں کی کثیر تعداد کا تعلیم سے محروم رہنا ہے۔

تعلیمی پسماندگی کا ازالہ کیسے ہو؟

اس بات کو مسلمان اپنے ذہن سے نکال دیں کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ پر عمل کرتے ہوئے حکومت فوری طور پر حرکت میں آکر مسلمانوں کے حالات بہتر بنانے کی کوشش کرے گی کیوں کہ اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپوزیشن کا ہے اور یہی سب سے بڑی رکاوٹ بھی ہے، البتہ اتنا یقین ضرور ہے کہ منموہن حکومت کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی کیوں کہ سچر کمیٹی کی تشکیل مسلمانوں کے مطالبہ پر نہیں کی گئی بلکہ اس نے خود یہ فیصلہ کیا ہے۔

اب ہمارے سامنے سوال یہ نہیں کہ حکومت کتنا اور کیا کرے گی بلکہ یہ ہے کہ ہم خود اپنی

پسماندگی کے ازالے کے لیے کتنے ٹھوس اقدامات کر سکتے ہیں؟ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارا مزاج شکایتی زیادہ ہوگیا ہے اور ہم سراپا احتجاج بن چکے ہیں، خود احتسابی بالکل نہیں ہے، سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق تعلیمی محاذ پر اگر ہم دلتوں اور ہریجنوں سے بھی زیادہ پچھڑے ہیں تو اس کے لیے صرف حکومت یا کوئی پارٹی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس صورتِ حال کے ذمہ دار مسلمان خود بھی ہیں، جنھوں نے اپنے حقیقی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کی طرف توجہ ہی نہ دی حالاں کہ مسلمانوں کا ماضی اتنا شاندار رہا ہے کہ وہ علم کے دلدادہ تھے، اپنے علم کی بنیاد پر تہذیب وشائستگی کے علمبردار بھی تھے، دنیا کو علم سے روشناس کرا کے جدید ایجادات اور ترقی کے لیے راہیں ہموار کیں مگر آج وہی قوم علم سے نابلد اور سب سے پسماندہ ہو چکی ہے۔ لہٰذا آج مسلمان عصری تعلیم میں خوب محنت کریں عہدِ حاضر میں خصوصاً تعلیم کی اہمیت وافادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عصری تعلیم کے بغیر انسانی زندگی بے معنی وبے اثر نظر آتی ہے، آج ہم مادیات میں پوری طرح سے گھرے ہوئے ہیں اور عصری تعلیم کے بغیر مادی ترقی بالکل ناممکن ہے۔ عصری تعلیم جس کو آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے نام سے جانا جاتا ہے اس میں اگر مہارت حاصل کی گئی تو ہندوستان کے بیشمار اہم شعبوں پر ہم قابض ہو سکتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھیں عصری تعلیم کے ذریعہ جو مشرکانہ عقائد ونظریات سامنے آئیں انہیں ہرگز قبول نہ کیا جائے بلکہ ہمیشہ اپنا نظریہ اسلامی ہی ہو، اسی لیے مسلمان اگر عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہو جائے تو یقیناً وہ بحیثیت ایک مسلمان اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے اور جب بیک وقت یہ دونوں قوتیں موجود ہونگی تو ان شاء اللہ مسلمانوں کی اقتصادی اور سماجی پسماندگی بہت جلد دور ہو سکتی ہے۔

فرقہ پرست تنظیموں کا شدید ردِ عمل:

ملک کے شرپسند عناصر یہ کبھی نہیں چاہتے کہ مسلمان ترقی پذیر ہوں بلکہ ان کا یہ اصرار ہے کہ مسلمانوں کو پسماندہ ہی رہنے دیا جائے جیسا کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے پیش ہوتے ہی فرقہ پرست تنظیموں نے زہر افشانی شروع کر دی ہے بعض فرقہ پرست قلمکار ہندوستانی تہذیب وتمدن کا دامن چھوڑ کر نازیبا کلمات استعمال کرنے لگے ہیں، جسٹس سچر کو سونیا گاندھی کا منظورِ نظر، موجودہ ہندوستان کا جناح اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے چکے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کے

پیٹ میں شدید درد شروع ہو چکا ہے کہ کہیں مرکزی حکومت مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی نہ دے دے اور ان کی یہ کیفیت آج سے نہیں بہت پہلے سے ہے، انہیں اس وقت بھی کافی تکلیف ہوتی ہے جب بھولے بھٹکے ہی صحیح کسی مسلمان کو اس کا حق مل جاتا ہے یا حق دینے کی بات ہوتی ہے، اور بعض فرقہ پرست زہریلے عناصر مسلمانوں کو کسی بھی اعتبار سے ترقی یافتہ دیکھنا تو بہت دور ان کا جائز حق تک نہیں دینا چاہتے ہیں حالانکہ ایک ہندوستانی شہری ہونے کے ناطے انہیں سچر کمیٹی کی رپورٹ کا پوری سنجیدگی اور انصاف کے ساتھ جائزہ لینا چاہئے تاکہ مسلمانوں کی بدحالی اور پسماندگی دور ہو سکے کیوں کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کی بدحالی ملک کی بدحالی ہے اور اس کی ترقی ملک کی ترقی ہے۔

سیکولر دعوے داروں کے لیے ایک عظیم امتحان:

ایسے حالات میں مسلمانوں کی تعلیمی، معاشی اور سماجی پسماندگی دور کرنے کے لیے سچر کمیٹی کی سفارشات کو نافذ کرنا سیکولر جماعتوں بالخصوص مرکزی حکومت کے لیے ایک بہت ہی مشکل مسئلہ ہے کیوں کہ سنگھ پریوار احتجاج کے لیے پوری طرح سے میدان میں اتر چکا ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ جب بھی قومی سطح پر ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر ہمدردی سے غور کرنے کا موقع آتا ہے تو بی جے پی سیکولر حکومت پر یہ الزام لگا دیتی ہے کہ وہ ہندوؤں کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کو خوش کرنے کا کام کر رہی ہے پھر اربابِ اقتدار ہندو ووٹ کھونے کے خوف سے مسلمانوں کو دستوری حقوق مہیا کرانے سے بھی گریز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور مسلم سیاسی قائدین بھی مہر بلب اور خاموش تماشائی بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ مسلمانوں کی پسماندگی کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے مگر حکومتِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ سنگھ پریوار کے احتجاج کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سچر کمیٹی کی سفارشات کو نافذ کرے اور ملکِ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت قومِ مسلم کو ان کے جائز حقوق دے کر ان کی بدحالی اور پسماندگی دور کرنے کی پوری کوشش کرے کیونکہ ملک کی اقلیت کی ترقی کے بغیر خود ملک کی بھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور یو پی اے حکومت کے پاس ابھی تقریباً آدھی مدت باقی ہے، اگر وہ قوم مسلم کی سماجی، معاشی، اور تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے سلسلہ میں سنجیدہ ہے تو اسے خلوص کے ساتھ عملی اقدامات شروع کر دینا چاہئے۔

قومِ مسلم کے لیے لمحۂ فکریہ:

مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لیے علمائے کرام، دانشوران، ماہرینِ تعلیم، رہبرانِ قوم وملت اور انسانی حقوق تنظیموں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی صورتِ حال میں سدھار لانے کے لیے قانونی و دستوری مراعات اور تحفظات فراہم کرنے پر غور وخوض کریں اور مسلم سیاسی لیڈران اپنی پارٹی کے مفادات سے بالاتر ہو کر اپنی پسماندہ قوم کے لیے کوشش کریں، کسی پارٹی کے سہارے کی امید نہ رکھیں کیوں کہ سچر کمیٹی رپورٹ نے اس سچائی کو بھی طشت از بام کر دیا ہے کہ پچھلے ساٹھ سالوں میں کسی بھی حکومت نے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے تو اب کسی نسخۂ کیمیا کی امید کرنا بڑھاپے میں جوانی کے پلٹ آنے کی تمنا کرنے کے مترادف ہے۔

سچر کمیٹی نے ہم پر یہ ایک بڑا احسان کیا ہے کہ ہماری پسماندگی کی رپورٹ کو آئینی حیثیت دے دی ہے جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی پسماندگی کا شکوہ ضرور کرتے تھے مگر ہمارے پاس ایسے مستند اعداد وشمار نہیں تھے اور اب ہمیں اپنے جائز مطالبات کے لیے ایک قانونی اور آئینی سند مل چکی ہے، اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس رپورٹ اور اس میں پیش کردہ سفارشات کی بنیاد پر معاملہ کو آگے بڑھائیں اور مسلم سیاسی قائدین بھی پارلیمنٹ میں اس پر بار بار آواز اٹھائیں ،سردھڑ کی بازی لگا کر ملک گیر تحریک چلائیں، مسلم دشمن عناصر جو غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اس کا سخت رد کرتے ہوئے ان کا دنداں شکن جواب دیں، اور اپنی متحدہ قوت و طاقت سے انہیں یہ بتا دیں کہ مسلمان سخت جاں ہوتا ہے اور دشمنوں سے ڈر کر راہِ فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی کشتیوں کے ساتھ فرار کا تصور بھی جلا دیتا ہے ،وہ اسباب پر نہیں خالقِ اسباب پر بھروسہ کرتا ہے۔جس دن مسلمان خلوص وللّٰہیت کے ساتھ بیدار ہو کر فرقہ پرستی کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہوئے اپنے دستوری حقوق کی حصولیابی کے لیے سیاسی عزم واستحکام پیدا کریں گے اس دن ان شاء اللہ سچر کمیٹی کی سفارشات پر عمل یقینی ہو جائے گا۔(جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء)

سیرت طیبہ کا پیغام اہل مغرب کے نام

عصر حاضر کے جدید اذہان وقلوب کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ دور حاضر کے تمام مادی نظامہائے فکر سسکتی ہوئی انسانیت کے اضطراب کو دور کرنے سے عاجز وقاصر ہو چکے ہیں اور نظامہائے سرمایہ داری واشتراکیت نے علاج کی بجائے انسانیت کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا وہ انسانوں کو سکون کیا فراہم کرتے؟ بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چشم زدن میں خاکستر کرنے کے لیے ہر وقت اپنے جنگی ذخائر میں مہلک ترین اسلحہ کا اضافہ ہی کرنے میں مصروف ہیں۔

وہ نظامہائے حیات جو مذہب کے نام پر موجود ہیں وہ بھی دور حاضر کے مادی نظاموں کے سامنے دم توڑ چکے ہیں کیوں کہ ان کے اندر یہ صلاحیت ہیں کہ اپنے ماننے والوں کو بے راہ روی سے روک سکیں، ان کا مطالبہ تو اپنے ماننے والوں سے اب صرف اتنا رہ گیا ہے کہ مذہب کا لیبل اپنے اوپر چسپاں رہے اس کے بعد جو جی میں آئے کریں، شراب، جوا، قمار بازی، زناکاری، ننگے ناچ، الغرض حیوانی جذبات کی تسکین کے لیے ہر طریقۂ غیر انسانی کو اختیار کریں، انہیں مذہب کی طرف سے کھلی چھوٹ ہے۔

عالمی سطح پر بالخصوص یورپ اور امریکہ کے اندر بے شمار انسانوں کے کربناک حالات کو دیکھ کر ایک باشعور، دردمند انسان خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ ظاہری اسباب ووسائل اور دولت کی فراوانی تو ہے مگر قلبی وروحانی سکون تو یکسر ختم ہو چکا ہے۔ یہ ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقیاں تو کر چکے ہیں مگر وہاں کے اکثر وبیشتر باشندے سخت بے چینی وبے اطمینانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اکثر لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ قلبی سکون نہ میسر آنے کے سبب خودکشی کرنے پر مجبور ہیں

اور خودکشی کے نئے نئے انداز اختیار کیے جارہے ہیں۔

اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب مادی ترقیات کی انتہا کو پہنچنے کے باوجود دو بہت ہی اہم مرکزی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

اول یہ ہے کہ ایک بڑی ہی ہولناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف ان پر طاری ہے۔اس کے ضمن میں یہ بھی پریشانی لاحق ہے کہ اس کی وجہ سے اسباب ووسائل حیات بالکل ختم ہو جائیں گے۔دوم یہ ہے کہ باہمی الفت ورفاقت کا فقدان جوتنہائی کرب اور خود بیزاری کا سبب ہوسکتا ہے، انہیں دو اہم خوف اور پریشانیوں کے سبب سامان تعیش کی کثرت کے باوجود وہ قلبی سکون سے محروم ہیں۔ان کے قریب جا کر ان کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں تو یقیناً پنچانوے (۹۵٪) فیصد افراد اندر سے دکھی نظر آئیں گے، ان کے دل پژمردہ ہو چکے ہیں اور وہ انتہائی مایوسیوں کے سایے میں گھرے ہوئے ہیں،اس وقت باشعور دردمند مفکرین کو تجربات کی روشنی میں یہ پتہ چل گیا ہے کہ سائنس جو ان کی ترقی کا سب سے بڑا زینہ ہے اس کے پاس بھی قلب انسانی کے دکھوں کا علاج بالکل نہیں ہے۔

اس ہنگامۂ دارو گیر میں کہیں امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پاک اور سیرت طیبہ ہے، جو سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے مسیحا اور فطری وشافی علاج ہے اور انسانی زندگی کو متوازن، خوشحال، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کے لیے ایک وسیلۂ عظیمہ بھی ہے، آج بھی اگر دنیا کو معاشی ومعاشرتی امن حاصل ہوسکتا ہے تو وہ سیرت طیبہ ہی سے۔کاش عصر حاضر میں اہل مغرب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تعصب وتنگ نظری کی عینک نکال کر سنجیدگی ومتانت سے مطالعہ کریں تو یقیناً وہ مایوسیوں کے دلدل سے نکل کر قلبی راحت وسکون کی جنت میں پہنچ سکتے ہیں، ان کے معاشرے کا سکون بحال ہو جائے گا۔

سیرت طیبہ کی جامعیت:

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا فطرت انسانی کے جس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے وہ اتنی جامع اور مکمل نظر آئے گی کہ ہر دور کے انسانوں کے لیے اس سے بہتر اور کوئی نمونۂ عمل ہے ہی نہیں۔حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی سیرت

طیبہ آج بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے۔

حالاں کہ انقلابات زمانہ نے ہزار کروٹیں بدلیں، گونا گوں تبدیلیاں رونما ہوئیں، اہل زمین پر مختلف تہذیبوں اور انداز معاشرت کی چھاپ پڑتی رہی، اکثر مذہبی پیشواؤں کی زندگیاں ان کے انتقال کے چند سال بعد بدل دی گئیں، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ جوں کا توں آج بھی محفوظ ہے، وہ خود نہیں بدلی بلکہ بگڑے ہوئے انسانوں کے ظاہر و باطن کو بدل دیا۔ سیرت طیبہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ بادشاہ ہو یا رعایا، سالار ہو یا سپاہی، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، شہری ہو یا دیہاتی ہر ایک کی عمدہ اور بہترین زندگی کے لیے یہی پیمانہ تراشا گیا ہے۔

اہل مغرب کی تباہی کا ایک اور سبب عظیم:

دین اور دنیا کی تفریق کا تصور مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے، اسی تفریق کے تصور سے قومی عصبیت کا شعور پیدا ہوا جس نے آج پوری نسل انسانی کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے، اسی کا نتیجہ جو سرمایہ داری اور اشترا کی استبداد کی صورت میں نظر آ رہا ہے، اس ظالمانہ نظام کی تباہی سے بچنے کا واحد ذریعہ سیرت طیبہ ہی ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات نے شعوب وقبائل کی عصبیت کو تباہی و بربادی کا سب سے بڑا راستہ قرار دے کر اخوت ومحبت اور باہمی الفت ورفاقت کو ایک نعمت عظمیٰ قرار دیا، جس کی بنیاد پر عرب والوں کے درمیان ہونے والی قدیم قبائلی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا، ساری دنیا نے راحت اور اطمینان کی سانس لی، اسی کی واضح ترجمانی قرآن مقدس کی اس آیہ کریمہ سے ہوتی ہے: **واذکروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها** ۔ اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، بس تم اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچالیا۔

آج بھی دنیا کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کردہ اس نعمت عظمیٰ کی اشد ضرورت ہے، جس کے سبب انسانی مساوات، اخوت ومحبت کی فضا قائم ہوئی۔

میں پورے چیلنج کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ جس دن مغرب اس نعمت عظمیٰ کو پالے اسی دن سے عالمی سطح پر ہونے والی دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ وہ جس بھیانک خوف واضطراب میں مبتلا ہے اس سے اس کو نجات مل جائے گی۔

مگر افسوس صد افسوس اہل مغرب کی حماقت وجہالت پر کہ وہ سیرت طیبہ جو ان کی تمام بیماریوں کا علاج ہے، ان کے قلبی سکون کا ذریعہ ہے اس کو اپنانے کی بجائے اس پر قدغن لگانے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہیں، طرفہ تماشا یہ کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخانہ رویہ اختیار کرکے خود اپنی ہی تباہی وبربادی اور ذلت ورسوائی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ عصر حاضر کے مغربی مفکرین نے سیرت طیبہ کے جملہ گوشوں کا بغور مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ وہ ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتے، اس لیے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سارے مغربی مفکرین نے ایمان کی ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ جیسا کہ ایک مغربی مفکر J.B. Magee نے اپنی ایک مبسوط کتاب Religion and Modern Mind میں جدید اذہان کا مکمل تجزیہ کرنے کے بعد اہل مغرب کے لیے ایمان کو سب سے بڑی اور اہم ضرورت قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مصنف نے یورپ کو سخت تنبیہ کی ہے کہ تباہی وبربادی سے بچنا ہے تو خدا سے اپنا تعلق مضبوط کرو۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ خدا سے تعلق اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مکمل طور پر اپنا لیا جائے۔

عصر حاضر میں عالمی سطح پر اسلام مخالف باطل طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے منصوبے بنا رہی ہیں اور اس کے لیے اپنی تمام تر توانائیں صرف کر رہی ہیں۔ مگر اسلام ہے کہ فروغ پا رہا ہے، امنڈتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑی تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے، جب کہ مسلمانوں کے پاس ان کے مقابلہ میں نہ مادی اسباب ووسائل ہیں اور نہ ہی عالمی سطح پر ایسا کوئی مشن ہے جو اشاعت اسلام کے لیے سرگرم عمل ہے۔

اس سلسلہ میں ہم تو یہی کہیں گے کہ تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت طیبہ کا تقدس ہی ہے جو سنجیدہ اذہان کو جھنجھوڑ کر ان کے دل ودماغ میں گھر کرتا جا رہا ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ ہی نے بگڑے ہوئے انسانوں کے ذہن ومزاج کو بدل ڈالا، سخت دلوں کو نرم کرکے ظالموں کو

رحم وکرم کا خوگر بنادیا۔اور ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ آج جو پوری دنیا میں اسلام پھیل رہا ہے، لاکھوں کروڑوں انسان اسلام کے دامن سے وابستہ ہورہے ہیں وہ کسی اور لالچ میں نہیں بلکہ صرف اور صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو دیکھ کر، کیوں کہ سیرت طیبہ کا جب انہوں نے گہرائی سے مطالعہ کیا تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ اپنے پرانے دھرم کا بوسیدہ وگندہ چولہ اتار پھینکا اور اتباع سیرت طیبہ کی قبا زیب تن کرلی۔

تعلیمی نصاب میں سیرت طیبہ کی شمولیت:

آج کا دور تعلیم کا دور ہے، دنیا کی تمام قومیں علمی ترقی کے حصول میں انتہائی بیدار نظر آتی ہیں اور اپنے نونہالوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے باضابطہ عمدہ نصاب کی ترتیب وتدوین میں مسلسل مصروف ہیں۔مقصد یہ ہے کہ ہماری نسلیں جو قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں وہ اعلیٰ اخلاقی اور بہترین کردار کا حامل ہوں۔اس لیے تعلیمی نصاب میں نابغۂ روزگار عبقری شخصیتوں کو مندرج کیا جاتا ہے تاکہ ان کو آئیڈیل بنا کر طلبہ اپنی شخصیت سازی میں نکھار پیدا کرسکیں۔

اس سلسلے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بہترین رول ہوگا کیوں کہ ہر ایک اس بات کا معترف ہے کہ آپ سے بہتر کردار کسی کا نہیں تھا۔

لہٰذا اپنے سماج میں بہترین انسانوں کی تعمیر کے لیے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو تعلیمی نصاب میں ضرور شامل رکھا جائے۔عصر حاضر کے تعلیمی نصاب میں جنس پرستی کی نہیں سیرت طیبہ کی شمولیت بے حد ضروری ہے اس کے بغیر معاشرہ کا توازن صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔

آج بھی دنیا میں امن وسکون، عافیت وخیریت، مؤدت وحمیت، مساوات وشرافت، امانت ودیانت داری اور انسانی عروج وارتقا کے لیے سیرت طیبہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

اہل مغرب کے تمام قلبی امراض کا علاج اور روحانی سکون واطمینان کا مکمل مداوا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی ہے۔اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ سیرت طیبہ کو دل وجان سے تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اہل مغرب کے سینوں کو کشادہ فرمائے۔آمین

(اپریل تا جون ۲۰۰۷ء)

اتحاد: قوم مسلم کی سب سے بڑی طاقت

قوموں کے عروج وزوال میں اتحاد کا بھی کافی اہم رول رہا ہے جس کی بہترین مثال خیر القرون عہد صحابہ میں نظر آتی ہے کہ ان میں اس قدر مضبوط اتحاد تھا کہ جس کی تعبیر ان الفاظ سے کی جاسکتی ہے "کانھم بنیان مرصوص" وہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح تھے۔ یہ امر مسلم ہے کہ اتحاد یقیناً ایک بہت بڑی طاقت ہے، خصوصاً قومِ مسلم کا اتحاد ایک ایسا جوہر ہے جس کی بنیاد پر بڑی سے بڑی طاغوتی قوتوں کو سرنگوں کیا جاسکتا ہے۔

میں پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی قوم مسلم دینی، اخلاقی، سیاسی وسماجی سطح پر اتحاد کا بھرپور مظاہرہ کرے تو ساری باطل طاقتیں اس کے قدموں میں سرنگوں ہوتی نظر آئیں گی۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ وقتی ہی سہی معمولی اتحاد کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو بڑی بڑی سیاسی جماعتیں ووٹ کی بھیک مانگنے کے لیے ہمارے دروازوں پہ کھڑی ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ ہمارے اتحاد ہی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اقتدار حاصل کرلیتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں مالیگاؤں کے مسلمانوں نے متحد ہوکر بنام "Third front" (تیسرا محاذ) پارٹی بنائی اور بھاری ووٹ سے کامیابی بھی حاصل کرلی تو ساری پارٹیاں مردار پر گدھوں کے ٹوٹ پڑنے کی طرح ان کے پیچھے پڑ گئیں کہ ہماری حمایت کرو تو ہم اقتدار پر آجائیں۔ آخرکار تیسرا محاذ کے کم عقل اور ناعاقبت اندیش قائدین نے وہ گل کھلائے کہ ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، کیوں کہ انھوں نے ایسی پارٹی کی حمایت کی جو پچاس سال سے اسلامی مفادات اور مسلمانوں کی سخت ترین دشمن رہی ہے۔ جس کے دورِ اقتدار میں ہمیشہ مسلمانوں کو بے حد ستایا گیا۔ اسی سبب سے تیسرے محاذ کی کارکردگی سے سارے مسلمان ناراض اور ان پر برہم ہوئے ہیں۔ بہرکیف اتحاد میں ایسی قوت ہے کہ ہم اپنے تمام حقوق بآسانی حاصل کرسکتے ہیں اور دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرخروئی اور

سرفرازی کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قومِ مسلم کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور مظالم کی بڑھتی تعداد کو دیکھ کر نباض قوم جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ الشاہ عبدالعزیز قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے یہ فرمایا تھا کہ ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت''۔ یقیناً آپ کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہم شاندار زندگی گزارنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

اختلاف کے نقصانات: انقلاباتِ زمانہ اور قوم مسلم کے زوال وانحطاط کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب سے ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہوا ہے اسی وقت سے ہم قعر مذلت کی طرف ڈھکیل دیے گئے، اقتدار سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہمارا وہ علمی روحانی اثاثہ جس کے ذریعہ ہم پوری دنیا پر حکومت وسیاست کرتے تھے وہ ہم سے چھین کر سیاسی ومعاشی ترقی کی راہ میں ہمیں اپاہج بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے، اس وقت اختلاف ہماری قوم کے اندر اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں ہماری جتنی بھی تنظیمیں ہیں ہر ایک دوسرے کے دست بہ گریباں نظر آتی ہے۔ مساجد و مدارس کی کمیٹیوں میں اختلاف، علما میں اختلاف، دانشوروں میں اختلاف، خطبا ومقررین میں اختلاف، حتّٰی کہ خانقاہوں اور پیروں میں بھی اختلاف وہ بھی اتنا شدید کہ ایک دوسرے کے زوال کے خواہاں اور خون کے پیاسے بن چکے ہیں جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہم قیادت سے محروم ہو گئے اور کوئی کسی کو قائد تسلیم کرنے پر راضی ہی نہیں ہے۔

آخر اس قوم کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم وہ تاریخ بھول گئے کہ ایک دور وہ تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کے اندر اتحاد واتفاق کی ایسی روح پھونکی تھی کہ تمام دشمن طاقتیں ان کے سامنے مجبور و بے بس ہو گئیں پھر آپ نے ایسی متحدہ قوت کے ساتھ ان پر ایسا حملہ کیا کہ ظالم یہودیوں کے ناجائز قبضہ سے بیت المقدس کو آزاد کرا لیا۔ آج وہی بیت المقدس ہمارے اختلاف کے سبب پھر یہودیوں کے چنگل میں ہے۔ کچھ دنوں سے فلسطین کی تنظیم الحماس کے کارکنان یہودی بربریت کے خلاف بہت اچھا کارنامہ انجام دے رہے تھے لیکن اب مسلمانوں کی دوسری تنظیم الفتح ان کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئی۔ اس وقت دونوں تنظیموں کی آپسی رسہ کشی کے سبب دشمن کو کافی تقویت مل رہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تمام مسلم تنظیمیں اور مسلم حکمراں اسلام دشمن طاقتوں

کے خلاف متحد ہوکر ڈٹ کر مقابلہ کرتے تو تمام طاغوتی قوتیں موت کے گھاٹ اتر جاتیں۔

عراق کی تباہی کیا ان کے لیے درسِ عبرت نہیں ہے؟ انتہائی خطرناک اور نازک وقت آ گیا ہے۔ اس وقت تمام مسلم حکمرانوں اور تنظیموں اور جماعتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا واقعی ہم مسلمان ہیں یا ایسے ہی رسمی اور نام کے مسلمان۔ اس لیے کہ اگر ہم واقعی مسلمان ہوتے تو اللہ جل شانہٗ کے کلام قرآن مقدس پر ہمارا عمل ہوتا۔ رب تبارک وتعالیٰ نے تو ہمیں یہ حکم فرمایا ہے: ''و اعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا'' سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اپنے اندر تفرقہ مت پیدا کرو۔ آیۂ مذکورہ میں فرمانِ خداوندی ''و لا تفرقوا'' اس بات کا واضح اعلان ہے کہ اختلاف سے بچو، اختلاف کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمانِ عالیشان کی واضح تفسیر فرماتے ہوئے اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار' 'بڑی جماعت کے ساتھ رہو، جو اس سے علیٰحدہ ہوا وہ جہنم میں علیٰحدہ ڈال دیا جائے گا۔ اتحاد کے سلسلے میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو اتنی بیش بہا ہیں کہ دوسری قوموں میں اس کی معمولی جھلک بھی نہیں ملتی مگر انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ دوسری قوموں نے ہمارے پیغمبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اتحاد کو ایسا اپنا لیا کہ حکومت بھی ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

ابھی چند دنوں قبل راجستھان کے علاقہ میں گوجر قوم جو ہندوستان کی ایک پسماندہ اور نچلے طبقے میں شمار کی جاتی ہے، اس نے اپنے رزرویشن کے معاملہ میں متحد ہو کر ایسا زبردست احتجاج کیا کہ حکومت کو جھکنا پڑا۔ اور ہم ہیں کہ پچاس سال سے اپنے رزرویشن کے لیے چیخ رہے ہیں، چلا رہے ہیں مگر کوئی شنوائی نہیں۔ سچر کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد کے لیے حکومت کے سامنے میمورنڈم پیش کیا گیا، جلسے جلوس منعقد کیے گئے، اخبارات ورسائل میں شائع کیا گیا مگر ساری چیخ و پکار صدا بہ صحرا ثابت ہوگئی، حکومت کے سر پر جوں بھی نہیں رینگی۔ کاش اگر ہم پوری طرح سے متحد ہوتے پھر ہماری گونج ایوانِ حکومت میں پہنچتی تو یقیناً حکومت کے کارندے لرز جاتے اور ہمارے مطالبات کو پورا کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

علما اور دانشوروں کا اختلاف: علما اور دانشوروں کے مابین اختلاف کی خلیج اس وقت اتنی وسیع

ہو چکی ہے کہ دور دور تک کہیں اتحاد کی کرن نظر نہیں آتی ہے اور آئے دن نت نئے اختلافات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ایک اختلاف ابھی ختم بھی نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا اختلاف جنم لے چکا ہوتا ہے۔ علما کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی، نظر وفکر کی گہرائی، تقریر وتحریک کی صلاحیت سے نوازا۔ صرف اس لیے کہ قوم وملت کی اصلاح کر سکیں، انہیں اتحاد واتفاق اور اطاعت خدا ورسول کی دعوت دے سکیں مگر کچھ علما ہیں کہ خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خوف سے بے نیاز ہو کر علم کا غلط استعمال کرنا شروع کر دیا، دنیوی حرص وطمع نے انہیں آپسی رسہ کشی اور اختلاف پر مجبور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اپنی قوم کے بیشتر افراد علما سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں، آپسی اختلاف ہی کی بنیاد پر عالمانہ وقار ختم ہو گیا اور آج ہم اس موڑ پر آ پہنچے کہ مسجد میں امامت یا مدرسہ میں تدریسی خدمات پر تقرری کے لیے جہلا ہمارا انٹرویو لے رہے ہیں اور جب تک ہم اختلاف کا شکار رہیں گے جہلا ہی کا تسلط رہے گا۔

دینی عقائد ونظریات کا اختلاف: دینی عقائد ونظریات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے مگر ایک طرف حق ہے اور دوسری طرف باطل ہے جیسا کہ عہدِ صحابہ میں خوارج اور روافض نے اختلاف کیا۔ اس اختلاف میں اہل سنت وجماعت حق پر ہیں۔ اگر انہوں نے روافض وخوارج کا رد کیا تو یہ بجا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی سرزمین پر ۱۸۵۶ء سے وہابیوں نے اہل سنت وجماعت کے عقائد ونظریات سے اختلاف کیا جو کہ سراسر قرآن وحدیث اور اجماع امت سے اختلاف ہے۔ روپئے اور ڈالر کی لالچ میں صرف اور صرف انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے اختلاف کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۵۶ء کے بعد ہی سے قوم مسلم کے درمیان اس قدر شدید اختلاف ہوا کہ گھر گھر میں اختلاف، بھائی بھائی میں اختلاف، سارے خاندان منتشر ہو گئے۔ اخوت وبھائی چارگی کا ماحول ختم ہو گیا، باہمی خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ مفقود ہو گیا۔ حتّٰی کہ ان اختلاف کرنے والوں نے اللہ کے محبوب ومقدس بندوں تک کو نہ چھوڑا، ان کی شان میں توہین وگستاخی کو اپنا مشن بنا لیا۔ دنیا والوں کے سامنے تو کلمہ، نماز کی تبلیغ کا ڈھونگ رچایا مگر حقیقت میں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور آج میڈیا کے ذریعہ وہی لوگ اتحاد کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

اختلاف کا بیج خود بویا پھر علمائے اہل سنت پر طعن وتشنیع کرنے لگے کہ سُنّی علما اختلافی تقریریں

کرتے ہیں، اتحاد کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر وہ خود اختلاف نہ کیے ہوتے تو ان کا رد کون کرتا؟ سنی علما تو ان کے اختلاف کا پردہ فاش کرتے ہیں، ان کے باطل عقائد ونظریات کا رد کرتے ہیں۔ وہ تو آج بھی ان سے اتحاد کرنے کے لیے تیار ہیں مگر اس شرط پر کہ انہوں نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف باطل عقائد ونظریات گڑھ کر جو اختلاف کی بنیاد ڈالی ہے پہلے اس کو یکسر ختم کریں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کی شان میں جو توہین اور گستاخی کی ہے اس سے صدق دل سے تائب ہو جائیں اور جن کتابوں میں لکھ کر شائع کیا ہے ان سب کو چوراہے پر لاکر جلا دیں، بلا ثبوت شرعی بات بات پر شرک وبدعت کا فتویٰ لگانا چھوڑ دیں پھر دیکھیں اتحاد ہوتا ہے یا نہیں۔ حقیقت میں اختلاف کی بنیاد یہی ہے لہٰذا جب تک یہ اختلاف کی بنیاد ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک اتحاد ناممکن ہے اور بلا شبہ آج ہمیں اسی اتحاد کی ضرورت ہے، ورنہ عقائد و نظریات کا اختلاف رکھ کر سیاسی سطح پر اتحاد کرنا چاہیں تو یہ بھی زیادہ دیر پا نہیں ہوسکتا۔ سیاسی اتحاد تو بہت جلد تارِ عنکبوت کی طرح بکھر سکتا ہے، اس میں کوئی دم خم نہیں۔ دینی عقائد ونظریات کا اتحاد ہی سارے اتحاد کی جڑ ہے، اس اتحاد کے بعد ہی ہر میدان میں اتحاد خوب بخود ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے مابین ایک اور اختلاف نظر آتا ہے مگر یہ اختلاف زحمت یا ضرر رساں نہیں ہے جیسا کہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں دلائل مختلف ہونے کی وجہ سے مجتہدین فقہا و علما کے مابین فروعی اختلاف ہے۔ یہ اختلاف رحمت ہے، جس کی طرف حدیث پاک میں حضور اقدس ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے: "اختلاف امتی رحمة" میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اس اختلاف کو مطعون نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا شامل ہے۔ اس اختلاف کے علاوہ جتنے بھی اختلافات ہیں سب کے سب زحمت اور ضرر رساں ہیں، ان تمام اختلافات کو ختم کرنا ضروری ہے۔ جن کی بنیاد پر آج ہم ہر میدان میں بہت پیچھے ہیں، اپنے جائز حقوق سے محروم ہیں، سیاسی، سماجی، معاشی ہر میدان میں بحالی اور ترقی کے لیے ہمارے اتحاد کی سخت ضرورت ہے، خصوصاً دشمنانِ اسلام کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ کی تخریب کاری اور ان کے ناپاک منصوبوں اور ضرر سے اپنے آپ کو بچانا ہے تو بھرپور اتحاد کی بے پناہ ضرورت ہے۔

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء)

رمضان اور روزہ: انسانیت کی تعمیر و ترقی کا سبب عظیم

یوں تو انسان اشرف المخلوقات ہونے کی بنا پر تاج کرامت سے نوازا گیا، علم و حکمت اور قوتِ فکر یہ کا مادہ ودیعت کیے جانے کی وجہ سے اسے فضیلت و برتری حاصل ہوئی، کائنات کی بے شمار اشیا اس کے لیے مسخر کر دی گئیں، ساتھ ہی ساتھ بغرض امتحان اس کے اندر قوتِ بہیمت و شہوانیت بھی ودیعت کی گئی، اس کے اثر سے نفس امارہ حرکت میں آتا ہے اور پھر فریب سے کام لیتے ہوئے انسان کو بے شمار برائیوں اور گناہوں کے دلدل میں ڈال دیتا ہے، بظاہر اس کے سامنے لذتیں ہوتی ہیں، راحت و آرائش کا ماحول ہوتا ہے، دنیوی فانی عزت و سرخروئی نظر آتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ شیطان لعین اپنے وعدہ کے مطابق ان برائیوں اور گناہوں کو حسین و خوبصورت سانچے میں ڈھال کر آراستہ کر کے پیش کرتا ہے، مگر یہی وہ چیز ہے جو انسان کے عروج وارتقا کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے، منزلِ مقصود کا بعد بڑھ جاتا ہے، قلبی سکون وارتقا رخصت ہو جاتا ہے، رحمت حق روٹھ جاتی ہے، انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان رب تبارک وتعالیٰ کی نصرت و حمایت سے محروم ہو کر ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے کسی ناصح نے بالکل صحیح کہا ہے:

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے
مسافرو! روشِ کارواں بدل ڈالو

انسان کی حقیقی ترقی کیا ہے؟ یہ ایک عظیم سوال ہے، اس کے تفصیلی جواب کے لیے ہمیں انسانوں کی ترقی و کامیابی کی عظیم تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ بالاختصار یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانوں میں اللہ عزوجل کے وہ بندے جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چراغ اپنے سینے میں جلا کر رضائے مولیٰ میں اپنی مکمل زندگی گزار دیتے ہیں جن کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب تک حیاتِ ظاہری کے ساتھ ہیں کائنات کی ہر چیز ان کے تابع وفرمانبردار

ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جنہیں حیاتِ جاودانی مل جاتی ہے اپنی قبر انور میں آرام فرما ہوتے ہیں مگر انسانوں کے دلوں پر ان کی حکومت برقرار رہتی ہے۔ ایسے انسانوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ مگر اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک انسان کو اتنی ترقی و کامیابی کیسے حاصل ہوئی کہ روح بدن سے پرواز کر چکی ہے، بے جان لاشہ جنازے کی چارپائی پر موجود ہے اور وہیں سے اپنے ایک چاہنے والے کو خواب کی تعبیر بتا رہا ہے، یہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے، وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ پڑھانے والے کا انتظار ہے، اتنے میں ایک نقاب پوش حاضر ہوا، نمازِ جنازہ پڑھائی اور بعد میں دیکھا گیا، پتہ چلا جن کا انتقال ہوا وہی نمازِ جنازہ پڑھا رہے ہیں یہ حضرت سیدنا علاؤالدین صابر کلیری علیہ الرحمہ ہیں۔

اس عظیم ترقی و کامیابی کا راز کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بظاہر انسان تو ہیں مگر حقیقی عروج وارتقا کی راہ میں آنے والی سب سے بڑی رکاوٹ کو وہ پہلے دور کر دیتے ہیں یعنی اپنے اندر ودیعت شدہ قوت بہیمت و شہوانیت کو عشقِ خداوندی و عشقِ رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جام پلا کر نفسِ امارہ کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں، اس کی تمام تر خواہشات کو اس قدر کچل دیتے ہیں کہ وہ ان کے سامنے مجبور و بے بس ہو کر اب رضائے الٰہی کے کاموں کے لیے ان کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ در حقیقت انسان کی سب سے بڑی بہادری اور سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ نفسِ امارہ اس کا غلام بن جائے کیوں کہ نفسِ امارہ انسان کا اتنا بڑا دشمن ہے کہ ہمیشہ اس کو گمراہیت کی طرف لے جانے اور رب تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کی کوششوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اسی لیے اس کو زیر کر کے اس پر غلبہ پانا بہت بڑی کامیابی ہے۔ وہ نفس امارہ جو ہمیں برائیوں اور گناہوں کی طرف لے جانے والا ہے، جب وہی ہمارے قابو میں آجائے تو پورا معاشرہ برائیوں سے پاک وصاف ہو سکتا ہے۔

اسلامی تصوف میں اسی کو تزکیۂ نفس کہا جاتا ہے، صوفیائے کرام کی تشریحات کے مطابق اس کا حقیقی معنی و مفہوم یہ ہے کہ نفس امارہ کو شرک و کفر، بغض و حسد، عداوت و نا چاقی اور بخل و کنجوسی، غیبت و چغلی، بدنگاہی جیسی صفات ذمیمہ سے پاک کیا جائے اور گناہوں کی آلودگی سے اسے صاف کیا جائے، ظاہر بھی پاک ہو، اور باطن بھی شفاف ہو۔

تجربہ شاہد ہے کہ تزکیۂ نفس کے لیے سب سے بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ وہ خواہشاتِ نفسانیہ

جن کی پیروی کرنے کے سبب انسان جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے ان کو کچلنے کا واحد ذریعہ روزہ ہے، اصطلاحِ شرع کے اعتبار سے تو روزہ کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے رکنے کا نام ہے مگر اس کے ضمن میں اس کے جو خاص مقاصد ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان متقی و پرہیزگار بن جائے، اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ قبیحہ سے مکمل طور پہ دست کش ہو جائے۔ روزے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ روزہ دار کی شدتِ پیاس کی وجہ سے حالت دگرگوں ہے، بھوک سے بے تاب ہے، ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا سامنے موجود ہے اور اسے کوئی دیکھ بھی نہیں رہا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کھانا تو کجا آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حالتِ روزہ میں کھانے، پینے سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا ہے اور اس کو یقین کامل ہے کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ اب جب اس کے اندر حکم خداوند قدوس کے سبب حلال چیزوں سے پرہیز کرنے کی اسپرٹ پیدا ہو گئی تو وہ چیزیں جن کو رب تبارک وتعالیٰ نے ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام قرار دے دیا ہے مثلاً چوری، رشوت خوری، زنا کاری، حرام خوری، بد دیانتی، جھگڑے وفساد وغیرہ اعمالِ رذیلہ کا ارتکاب وہ کیسے کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ روزہ ہی وہ عظیم ریاضت ہے جو خواہشاتِ نفسانی کو توڑنے کا باعث ہوتا ہے اور ہر قسم کے گناہوں سے روکنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم**'' اے نوجوانوں کے گروہ! جو تم میں سے شادی کر سکتا ہے اسے شادی کر لینی چاہئے کیوں کہ یہ نگاہوں کو زیادہ جھکانے کا باعث اور شرم گاہ کی حفاظت کا سبب ہوتی ہے اور جو شادی نہیں کر سکتا وہ روزہ رکھے کیوں کہ یہ خواہش نفسانی کو ختم کر دیتا ہے۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے روزہ کے بے شمار فضائل و برکات ہیں جن کا ثبوت احادیث کریمہ میں ملتا ہے۔ سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ حدیث قدسی ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم کا ہر عمل اس کے اپنے لیے ہے لیکن روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں بذاتِ خود ہوں...... یقیناً جس کو خدا مل جائے ساری خدائی اس کے زیر نگیں ہو جاتی ہے۔ انسان کے لیے اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے؟

خصوصاً ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کی تو شان ہی ارفع و اعلیٰ ہے کیوں کہ یہ ماہِ مبارک بھی انسان کی ترقی و کامیابی کے لیے سبب عظیم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ ماہِ رمضان شریف میں اللہ تبارک و تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دیتا ہے کہ وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نیکیاں لکھیں اور ان کے گناہ نہ لکھیں اور ان کے سابقہ گناہوں پر قلم عفو پھیر دیا جاتا ہے اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ ماہِ رمضان جیسے ہی آتا ہے تمام شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

ایک حدیث پاک جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''**من فرح بدخول رمضان حرم جلده على النيران**'' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص رمضان شریف کی آمد پر خوش ہوا اس کے جسم کو آگ پر حرام کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی رمضان شریف کے مہینے میں نیند سے بیدار ہوتا ہے اور اپنے بستر پر حرکت کرتا اور پہلو بدلتا ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے: اٹھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی برکت اور رحمت نازل فرمائے اور جب وہ نماز کی نیت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا بستر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! اسے جنت الفردوس میں بلند شان والے بستر عطا فرما اور اس کے جوتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور جب وہ وضو کرتا ہے تو پانی والا برتن اللہ کی بارگاہ میں اس کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو بخشنے کی التماس کرتا ہے اور وہ جگہ جہاں کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا ہے اس کے لیے دعا کرتی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! اس کی قبر کو وسیع فرما اور اسے اپنے نور سے روشن فرما اور اپنی رحمتوں سے اسے نواز دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! گناہوں سے بخشش طلب کرنا تیرا کام ہے اور اسے قبول فرما کر ان کو معاف کرنا میری ذمہ داری ہے۔

یقیناً جو ماہِ رمضان المبارک کا احترام کرتا ہے، اس کا حق جانتا ہے وہ بڑا ہی مبارک و مسعود ہے اور قیامت میں اس کو ایسے ایسے انعامات سے نوازا جائے گا کہ بندہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ زہرۃ الریاض میں ہے کہ قیامت کے دن رمضان المبارک بہت ہی حسین و خوبصورت شکل میں جلوہ

افروز ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے ماہِ مبارک تو مانگ کیا مانگتا ہے تجھے عطا کیا جائے گا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ لے جس نے تیرا حق پہچانا تو وہ میدانِ محشر میں چکر لگائے گا اور اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لے گا جو اس کی حق پہچانتا رہا پھر بارگاہِ الٰہی میں کھڑا ہو کر عرض کرے گا اے اللہ! تو اس شخص کو عزت و وقار کا تاج پہنا دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی سفارش قبول فرماتے ہوئے اس کو ایک ہزار سنہرے تاج پہنائے گا پھر وہ ستر ہزار کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ایک ہزار حوروں کا مالک بنا دے گا جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کنیزیں ہوں گی پھر وہ جنت میں ایک براق پر سوار ہوگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نظر کرم فرماتے ہوئے رمضان شریف سے پوچھے گا کہ تیری کیا خواہش ہے؟ تو وہ عرض کرے گا کہ اسے اپنے نبی کا قرب عطا فرما اور اسے اپنی رحمت و برکت سے نواز دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے ایک سو شہر عطا فرمائے گا جس کے محلات یاقوت سرخ اور سرسبز زبرجد کے بنے ہوئے ہوں گے اور ہر ایک شہر میں ایک ہزار محل ہوں گے، وہ سارے کے سارے رمضان شریف کا حق پہچاننے والے کی ملکیت میں ہوں گے اور وہ ان میں رہائش پذیر ہوگا۔

اللہ عزوجل کا عظیم احسان ہے کہ ہمیں رمضان المبارک جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، اس کے نعمت عظمیٰ ہونے کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! میں نے امت محمدیہ کو دو نور عطا فرمائے ہیں تاکہ دو اندھیرے اسے تکلیف نہ پہنچائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ دو نور اور دو اندھیرے کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو نور رمضان شریف اور قرآن کریم ہیں اور دو اندھیرے قبر اور قیامت کی ظلمتیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف میں اگر کوئی آدمی کسی دینی اور علمی محفل میں شریک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر قدم کے بدلے ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے اور وہ عرش کے نیچے میرے ساتھ ہوگا اور جو رمضان شریف میں ہمیشہ نمازِ باجماعت ادا کرتا ہے تو اسے ہر رکعت کے بدلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرا ہوا شہر عطا ہوتا ہے اور جو اپنے والدین کے لیے رمضان شریف میں نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت و بخشش سے نوازتا ہے اور میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہو جاتا

ہوں اور جو عورت رمضان شریف میں اپنے شوہر کی خدمت کر کے اس کی رضا حاصل کرتی ہے تو اسے حضرت مریم اور حضرت آسیہ کی عبادتوں جتنا ثواب عطا کیا جاتا ہے اور جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی حاجتوں کو بڑے ہی آسان انداز میں پورا فرماتا ہے۔

الغرض ماہِ رمضان المبارک کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میری امت کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ان کے لیے رمضان شریف میں کتنی خیرات و برکات ہیں تو وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش سارا سال رمضان شریف ہوتا۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ ماہِ مبارک اور اس کا روزہ انسانیت کی تعمیر و ترقی کا سب سے بڑا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ کاش مسلمان اس کو سمجھتے تو آج پوری دنیا ان کے قدموں میں ہوتی، فقط اپنے اشارۂ ابرو پر دنیا والوں کو نچاتے، مگر افسوس صد افسوس کہ قوم مسلم نے ہی رمضان المبارک کا احترام ترک کر دیا اور روزوں سے کوسوں دور ہو گئے۔ (الا ماشاء اللہ)

رمضان المبارک کے احترام کا مطلب یہ ہے کہ غیر شرعی افعال سے پرہیز کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول رہیں، قرآنِ کریم کی تلاوت، کثرت سے درود شریف کا ورد، تسبیح و تہلیل میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا یہ رمضان المبارک کا احترام ہے۔ مگر اس کے برعکس بہت سارے مسلمان رمضان شریف میں کیرم بورڈ کھیلنے، کرکٹ کھیلنے، تاش و شطرنج کھیلنے، کرکٹ میچ دیکھنے میں اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں جب کہ یہ افعال شرعاً حرام ہیں۔ دن کا زیادہ تر حصہ بلکہ رات کا بھی اکثر حصہ گلی نکڑ اور بلڈنگوں کے نیچے یا ہوٹلوں کے پاس گپ شپ کرنے میں گزار دیتے ہیں، وقت کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت و وقعت ہی نہیں ہے حالاں کہ رمضان المبارک وہ عظیم مہینہ ہے کہ اس میں ہم اپنی تعلیمی و معاشی ترقی کے لیے بہترین شیڈول تیار کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں ہمیں صبح جلدی اٹھنے کی ترغیب ملتی ہے اور وقت پر جو ہم سحری و افطار کرتے ہیں اس سے ہمیں وقتِ مقررہ پر کھانے پینے کی اچھی عادت ہو جاتی ہے اور وقتِ مقررہ پر نمازوں کا اہتمام یہ بھی ہمیں ثواب کے ساتھ ساتھ Time management کی تعلیم دیتا ہے اور دنیا کا یہ اصول ہے بلکہ قدرت کی جانب سے یہ انعام بھی ہے کہ جو وقت کا پابند ہوتا ہے وہ بہت جلد ترقی کے زینے طے کر لیتا ہے۔

ہمارے نوجوانوں اور خصوصاً اسکول اور کالج کے طلبہ کو اس ماہِ مبارک میں نماز اور تلاوتِ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اسٹڈی کے لیے کافی وقت مل سکتا ہے جس میں وہ بھرپور محنت کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

کامل روزے کی پہچان: اس ماہِ مبارک میں روزہ رکھنے کے بعد ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے کانوں کو گانے سننے، گالیاں اور غیبت و چغلی سننے سے محفوظ رکھیں اور زبان کو جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے اور چغلی کھانے اور کسی مسلمان بھائی کو تکلیف دینے سے محفوظ رکھیں اور اپنی آنکھوں کو غیر محرم عورتوں پر نظر ڈالنے، فلمی اور گندی تصویریں دیکھنے سے محفوظ رکھیں اور دن بھر سو کر نہیں بلکہ پنج وقتہ فرض نمازیں اور سنن و نوافل ادا کرتے ہوئے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے گزاریں۔ یہی کامل روزے کی پہچان ہے، یہی وہ روزہ ہے جس کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے، ورنہ فقط بھوکا رہنا کوئی کمال نہیں۔

فلسفۂ روزہ: قربان جائیں اسلام کی اس عظیم عبادت پر کہ انسانیت کا کس قدر انوکھا درس دیا جا رہا ہے کہ روزہ رکھ کر غریبوں کی غربت اور ان کی فاقہ کشی کا احساس بھی کروتا کہ تم ان کی بھرپور مدد کر سکو اس لیے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ملت کے بہت سارے آسودہ حال سیٹھوں کو غریبوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی ہے، صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ لاکھوں روپے فضول رسموں میں اور ڈیکوریشن میں خرچ کر دیں گے مگر کسی بیوہ یا غریب کی غربت کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا، محلے کی مسجدوں کو سنوارنے اور گلی کوچوں کو سنوارنے اور افطار پارٹیاں کرنے میں لاکھوں، کروڑوں روپۓ صرف کیے جاتے ہیں مگر وہ غریب مسجد کے خادم و بانگی اور امام جو دن بھر مسجد کی صفائی اور اس کے اہتمام میں لگے رہتے ہیں ان کی کوئی فکر نہیں اور ان کی اولاد کے مستقبل کا کوئی منصوبہ نہیں، کیا یہی انسانیت ہے؟ کیا اسلام نے ہمیں یہی درس دیا ہے؟ اپنے آپ کو ان غریبوں کی منزل میں رکھ کر کیوں نہیں سوچتے کہ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ہمارا کیا حال ہوتا۔ روزہ کا ایک عظیم فلسفہ یہ بھی ہے کہ تم انسانیت کا درد اپنے اندر محسوس کرو اور غریبوں کی غربت پر فقط آنسو بہانا کافی نہیں بلکہ ان کے لیے کچھ مضبوط منصوبہ بناؤ کیوں کہ اللہ جل شانہ کو اس کے غریب بندوں کی مدد اس قدر پسند ہے کہ وہ خود اپنے خزانۂ غیب سے اس کی بھرپور مدد فرماتا ہے اور اس کی ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ اسی

لیے تو زکوٰۃ وصدقات کو لازم قرار دیا گیا کہ اس سے غریبوں کی مدد ہو بلکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہمیں اپنے روزوں کو بارگاہِ الٰہی میں قبول کروانا ہے تو غریبوں کو صدقاتِ فطر دے کر راضی کرنا ہوگا کیوں کہ سرکار فرماتے ہیں کہ جو صدقۂ فطر ادا نہیں کیا اس کے روزے آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں۔اس سے یہ صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزوں کی قبولیت بھی اس کے غریب بندوں کی مدد پر موقوف ہے۔

یہ سمجھنے کا مقام ہے، یہ غور وفکر کا مقام ہے،ہمیں چاہئے کہ ماہِ رمضان المبارک میں اس کے حقوق کو بھر پور ادا کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری روحانی ترقی میں جو چیزیں رکاوٹ بننے والی ہیں جس کا شروع میں ہم نے تذکرہ کیا ہے ان سب کو دور کرکے اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے کامل روزہ رکھنے کی کوشش کریں اور ماہِ رمضان المبارک ہم سے جن چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے ان کو خلوص نیت کے ساتھ ادا کریں۔ ہماری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، نہ معلوم ہمیں اگلے سال رمضان شریف ملے یا نہ ملے اس لیے اپنی زندگی کے کسی پل کو برباد نہ ہونے دیں اسی ماہِ مبارک کو اپنے لیے غنیمت شمار کرتے ہوئے اپنی روحانی ترقی کے راستوں پر گامزن ہو جائیں،آنے والے وقت کا انتظار نہ کریں۔

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء)

دعوت وتبلیغ کا ایک عظیم مینارۂ نور

تاریخ اسلام کے اوراق شاہد عدل ہیں کہ دعوت وتبلیغ کی راہ انتہائی دشوار گزار اور پر پیچ ہے، جس میں ایک طرف کانٹے ہیں تو دوسری طرف تلواروں کی بوچھار ہے، حوادث روزگار کا سامنا ہے، تو حاسدین ومعاندین کے طعن وتشنیع کا خوف بھی ہے، بڑا ہی صبر آزما سفر ہوتا ہے جس میں بسا اوقات اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں بلکہ جان کے دشمن بن جاتے ہیں، اس مشکل سفر میں ایک داعیٔ حق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نہ کھانے کا ٹھکانا نہ گھر بار کی فکر نہ دولت وراحت اور تعیش دنیوی سے کوئی سروکار الغرض اپنی راحت کے تمام اسباب وعوامل کو تج کر الٰہی نظام قائم کرنے کے لیے دیوانہ وار ہر میدان میں پہنچ جاتا ہے، جب کہ وہ جانتا ہے کہ اس راہ میں ہزاروں قربانیوں کے ساتھ ساتھ جان کی بھی قربانی پیش کرنی پڑے گی مگر اس کا عشق حقیقی اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا جنون اس کے لیے تمام قربانیوں کو آسان کر دیتا ہے، حد یہ ہے کہ اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کا وقت آتا ہے تو اس کی زبان سے یہی صدا بلند ہوتی ہے ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے، بڑے بڑے داعیان دین آتے رہے انتہائی مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف اللہ عزوجل کی رضا کے لیے دعوت وتبلیغ فرماتے رہے۔ آج جو پوری دنیا میں اہل سنت وجماعت کا لہلہاتا چمن نظر آ رہا ہے جس کی تروتازگی اور معطر ومعنبر خوشبوؤں سے سارا عالم مہک اٹھا ہے یہ سب انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ اور مساعیٔ جمیلہ کا اثر ہے۔ بالخصوص چودھویں صدی میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے جتنی کوششیں اور قربانیاں دی گئیں ان سب کا سہرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے خلفا وتلامذہ کے سر ہے۔ جن کی دعوت وتبلیغ سے لاکھوں گم گشتگان راہ ہدایت پا کر جذبۂ عشق رسول سے سرشار ہو گئے، ان کے اندر ایک طرف سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر

عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تو دوسری طرف فرقہائے باطلہ اور دشمنان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفرت و بیزاری کا بے پناہ شعور بھی پیدا ہوا۔ دعوت وتبلیغ کی راہ میں آپ نے جو بے پناہ قربانیاں دیں ان قربانیوں کے سبب آج پوری دنیا میں مذہب حق اہل سنت وجماعت کو مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے جانا پہچانا جارہا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عقائد حقہ کی ترویج واشاعت کے لیے دعوت وتبلیغ کا پروگرام اس وقت شروع فرمایا جب کہ الحاد و دہریت اور مادیت کی تیز وتند آندھیاں انسانی آبادیوں کو تباہ وبرباد کررہی تھیں، وہابیت و دیوبندیت کے ایمان سوز واخلاق کش جراثیم شب وروز حملہ آور ہوکر قلب ایمانی اور روح آدمیت کو خستہ اور پامال کررہے تھے، ایسے سنگین حالات میں سارے چیلنج کا مقابلہ کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ کا مؤثر کارنامہ انجام دینا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ لیکن پھر زمانے نے کروٹ لی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے چند سال بعد پھر افراتفری کا ماحول گرم ہوا، سرزمین ہند پر فرقہ پرستوں کی شورش شروع ہوگئی جگہ جگہ فسادات اور قتل وغارت گری کا ماحول برپا ہوا تو ادھر تمام مسلمان مساجد ومدارس اور اپنے جان ومال کی تحفظ وبقا کی فکر میں سرگرداں تھے اور معاشی حالات کو بہتر بنانے کی تگ ودو میں مصروف تھے، ادھر موقع غنیمت جان کر وہابیوں نے مسلمانوں کے ایمانی قلعہ پر شب خون مارنے کے لیے ایک گروہ تیار کیا جو تبلیغی جماعت کے نام سے منظّم تحریکی شکل میں نمودار ہوا اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات کو مسخ کرکے مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول کی شمع بجھانے کی کوشش اس کا نصب العین تھا، دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی طرح یہ تحریک پھیل گئی مسلمانوں کو معاش کی بہتری کا جھانسہ دے کر گمراہ کرنا شروع کردیا، دوسری طرف مغربیت کی باد سموم نے اس قدر تیزی سے قوم مسلم کے نوجوانوں کو اپنی چپیٹ میں لینا شروع کیا کہ مسلمان اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بھول کر انگریزوں کے طرز زندگی کو اپنانے لگے، تعلیمی واخلاقی صورت حال فیشن ایبل ہوچکی، فلمی ہیرو کو اپنا آئیڈیل بنانے میں فخر محسوس کرنے لگے، نماز اور قرآن سے دور ہوکر فلم بینی اور فلمی گانے اور دنیاوی لہو ولعب میں اپنی زندگی گزارنے لگے نہ دین کی فکر اور نہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر۔ نوبت بہ ایں جارسید کہ شریعت اسلامیہ کے احکامات پر عمل پیرا رہنے اور دینی امتیاز باقی رکھنے کا جذبہ یکسر مفقود ہوچکا تھا

ایسے کربناک حالات کے پیش نظر ایک انتہائی منظّم وفعال تحریک کا قیام بے حد ضروری تھا، جو خالص اللہ کی رضا کے لیے، مفاد پرستی خودغرضی اور شہرت و ناموری سے بالاتر ہوکر اصلاح معاشرہ کا عظیم کارنامہ انجام دے سکے۔ جس کے ذریعہ عملی وفکری بے راہ روی کے شکار افراد کو عمدہ عقائد اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا جاسکے، اسی مقصد کے پیش نظر وقت کے مقتدر علما ومشائخ کے تعاون سے تحریک ''سنی دعوت اسلامی'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس تحریک کی باضابطہ تشکیل ۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر بمقام کچھی میمن جماعت خانہ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳ میں ہوئی اور باتفاق رائے حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب کو اس تحریک کا امیر مقرر کیا گیا۔

تحریک کے قیام کے بعد بتدریج اصلاح معاشرہ کا کام شروع ہوا، مبلغین کی تعداد بڑھنے لگی، اس تحریک نے قلیل عرصہ میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تحریک کے لیے اکابر اہل سنت کی اجتماعی سرپرستی میں جو خطوط متعین کئے گئے ہیں انہی خطوط پر یہ تحریک جبل استقامت بن کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ عقائد ومعمولات اہل سنت کی ترویج واشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے۔

تحریک سنّی دعوت اسلامی کے اغراض ومقاصد:

(۱) امت مسلمہ کو قرآن مقدس اور اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کر کے اطاعت خدا واطاعت رسول کی اسپرٹ پیدا کرنا۔

(۲) عقائد اہل سنت وجماعت کو دل ودماغ میں اتار کر اعمال کی اصلاح کرنا۔

(۳) سماج میں پھیلی ہوئی بے شمار برائیاں جن سے نونہالوں کے اخلاق بگڑتے ہیں ان کا پوری طرح سدباب کرنا۔

(۴) دینی اور دنیوی دونوں علوم کی رغبت دلاکر قوم مسلم کے نونہالوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھانا تاکہ اپنی سوسائٹی سے جہالت کا مکمل خاتمہ ہوجائے۔

(۵) احقاقِ حق اور ابطالِ باطل باحسن طریق انجام دیتے ہوئے استقامت علی الحق اور تصلب فی الدین کا جذبہ پیدا کرنا۔

(۶) مدارسِ دینیہ، مساجد اور اسلامی طرز پر اسکول وکالج اور ہاسپٹلس کا قیام۔

(۷)اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت کے لیے لائبریریوں کا قیام اور مختلف جگہوں پر درسِ قرآن وسنت کا انتظام۔

(۸)جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ فروغِ اسلام کی خدمت انجام دینے والے ماہر افراد کو تیار کرنا اور ان کا بھرپور تعاون کرنا۔وغیرہ

بحمدہ تعالیٰ تحریک سنی دعوتِ اسلامی اپنے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا بھر میں بے لوث خدمات انجام دے رہی ہے، جب کہ دورِ حاضر میں دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت انتہائی دشوار ہے۔ایک طرف اعدائے دین ہیں اور ایک طرف حاسدین ہیں، دونوں جانب سے طعن وتشنیع اور سب وشتم کی بوچھار ہو رہی ہے۔حد یہ ہے کہ ہر کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے مگر اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے تحریک سنی دعوتِ اسلامی سیل رواں کی طرح پھیلتی ہی جا رہی ہے، بڑھتی ہی جا رہی ہے اور مقبولیت کا سبب یہ ہے کہ اسے علما ومشائخ کی حمایت وسرپرستی حاصل ہے اور اکابر علمائے اہل سنت کی سرپرستی اور ان کے تعاون سے ہند اور بیرونِ ہند میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند کرتے ہوئے لوگوں کے دل ودماغ میں پوری طرح بس چکی ہے، جس کے بہترین اثرات ونتائج لوگ محسوس کر رہے ہیں چنانچہ ہماری قوم کے وہ نوجوان جو ہمیشہ شراب کے نشہ میں دھت رہتے، جنہیں جوا کی لت لگی ہوئی تھی، چوری، زنا اور حرام خوری میں زندگی گزر رہی تھی آج وہ برائیوں کو چھوڑ کر اپنے سر پر سفید عمامہ سجائے ہوئے پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد میں نظر آ رہے ہیں، فلمی گانوں کو چھوڑ کر نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گنگناتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، ان کے اندر نگاہوں کا تقدس، عشقِ رسول کی تڑپ اور خدمتِ دین کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا جذبہ وحوصلہ پیدا ہو گیا ہے۔اس موقع پر میں یہ کہوں گا کہ ان انقلابات کا سہرا یقیناً امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب قبلہ کے سر جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنی خدا داد صلاحیت کی بنیاد پر بہترین قیادت کا حق ادا کرتے ہوئے تحریک کے اندر جان ڈال دی اور اپنے رفقا کے دلوں میں خدمتِ دین واصلاحِ معاشرہ کی روح پھونک دی اور آپ کا عالم یہ ہے کہ اپنی گھریلو مصروفیات سے پہلو تہی کرتے ہوئے فقط خدمتِ دین متین کے لیے ایک ایک لمحہ وقف کر دیا ہے۔ بے پناہ شہرت و

مقبولیت کے باوجود عجب وتکبر کا شائبہ تک نہیں، بلکہ تواضع و انکساری، خوش خلقی و ملنساری سے سرشار، خصوصاً علما کی بارگاہوں میں انتہائی مؤدب نظر آتے ہیں۔ دنیوی لالچ اور شہرت و ناموری سے بالکل دور ونفور ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے نامور علما و مشائخ آپ کی خدمات کے معترف بھی ہیں اور دعاؤں سے نوازتے بھی رہتے ہیں۔ مثلاً حضور سید ملت سید حسنین میاں صاحب قبلہ نظمی مارہروی، حضور امینِ ملت سید امین میاں صاحب قبلہ (مارہرہ شریف)، حضور تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ (بریلی شریف)، حضور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خان صاحب قبلہ، محقق مسائل جدیدہ علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ، حضور مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ اپنی حیات میں خوب دعاؤں سے نوازتے رہے اور ہمیشہ حمایت فرماتے رہے۔ یقیناً انہیں بزرگوں کی دعاؤں اور شفقتوں کے نتیجے میں آج امیر سنی دعوتِ اسلامی کے حوصلے انتہائی بلند اور دعوت وتبلیغ کے لیے راہیں بالکل ہموار ہوتی چلی جارہی ہیں۔ آپ کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں بلکہ بیرونِ ہند خصوصاً مغربی ممالک میں بھی آپ کے تبلیغی دورے ہورہے ہیں اور ہفتہ وار و سالانہ اجتماعات منعقد ہورہے ہیں، جن کے سبب اسلام وسنیت کا فروغ ہورہا ہے اور آج دنیا کے اکثر و بیشتر علاقوں میں آپ ایک محبوب ومقبول خطیب، داعیِ دین اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے متعارف ہیں۔

سنی دعوت اسلامی کی خصوصیات:

☆ اس مقدس تحریک کو اکابر اہل سنت کی اجتماعی سرپرستی حاصل ہے۔ جس نے اس تحریک کے مذہبی، فکری اور مسلکی مستقبل کو ہر طرح کے خطرات سے مکمل طور پر محفوظ کر دیا ہے۔

☆ فکری و عملی سطح پر مسلکِ اہل سنت کی ترویج واشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے اور یہ تحریک انہیں خطوط پر کام کررہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کرتی رہے گی جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابۂ کرام، تابعین کرام، ائمۂ کرام، سیدنا غوث الثقلین اور خواجہ غریب نواز اور حضور اعلیٰ حضرت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے متعین فرمائے ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں یہ تحریک اس امر کی پابند ہے اور رہے گی کہ ہر حال میں وہ اپنے جماعتی امتیازات اور مسلکی شناخت کو برقرار رکھے گی۔

☆ عقائد واعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس تحریک کا سب سے بڑا مقصد علمائے اہل سنت اور مدارس اہل سنت سے عوام کو مربوط رکھنا، تعلیمی و اخلاقی پسماندگی کو دور کرنا، سماجی و فلاحی کاموں کے ذریعہ امت مسلمہ کی پریشانیوں کو ختم کرنا اور ہر اس تحریک کو ناکام بنانا ہے جو کسی ذات خاص کو مرشدانام اور مرجع خلائق بنانے کے لیے علماو مدارس کے خلاف چلائی جائے۔

تحریک کی خدمات کا اجمالی تعارف:

تعلیمی خدمات: نونہالانِ ملتِ اسلامیہ کو دینی وعصری علوم وفنون سے آراستہ کرنے کے لیے امیر سُنی دعوتِ اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری دام مجدہ نے ملک و بیرونِ ملک مدارس کے قیام کا ایک عظیم منصوبہ بنایا تھا۔ الحمد للہ اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے اب تک ایک درجن سے زائد اداروں کا قیام ہو چکا ہے۔ یہ مدارس حضرت موصوف کی سرپرستی ونگرانی میں اسلام وسنیت کے فروغ واستحکام اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں ہمہ وقت سرگرم ہیں اور تحریک سنی دعوتِ اسلامی کے مشن کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ ان مدارس عربیہ میں طلبہ کی تعلیم پر کامل توجہ دینے کے ساتھ ساتھ تزکیۂ قلوب پر خاصا زور دیا جاتا ہے تاکہ یہ طالبانِ علوم نبویہ علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہو کر میدانِ دعوت وتبلیغ میں قدم رکھیں تو ایک کامیاب داعی ومبلغ کی حیثیت سے خدمتِ دین کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ اداروں کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مرکزی ادارہ **"الجامعۃ الغوثیہ"** فائن مینشن، ۱۳۲،ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

(۲) **دارالعلوم انوار مدینہ**، ملاڈ (ایسٹ) ممبئی۔

(۳) **دارالعلوم انوارِ مدینہ**، اورنگ آباد، بہار

(۴) **الجامعۃ الحرا**، مہاپولی، تعلقہ: بھیونڈی، تھانے۔

(۵) **دارالعلوم فیضان بخاری**، ڈونگری، ممبئی۔۹

(۶) **دارالعلوم قادریہ**، بھاؤنگر، گجرات۔

(۷) **دارالعلوم برکات خواجہ**، آمود، گجرات۔

(۸) **جامعہ ام الخیر** (برائے خواتین)، پربھنی۔

(۹) **دارالعلوم مالک بن دینار**، اُپلا، کیرلا۔

(۱۰)دارالعلوم چشتیہ، پالی، راجستھان۔

(۱۱)دارالعلوم غوث العلوم، گونڈہ، یوپی۔

(۱۲)دارالعلوم چشتیہ، نندوربار، خاندیش۔

(۱۳)دارالعلوم اہل سنت، سٹانا، مالیگاؤں۔

(۱۴)دارالعلوم رضائے مصطفیٰ، احمد رضا کالونی، نزد رنگ روڈ، گلبرگہ شریف کرناٹک۔

(۱۵)دارالعلوم رضائے مصطفیٰ (مدرسۃ البنات)، نزد ٹیپو سلطان چوک، رنگ روڈ، گلبرگہ شریف، کرناٹک۔ وغیرہ

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی پیش قدمیاں ایک انوکھے طرز پر ہیں۔ جس کے لیے انگریزی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا قیام تحریک کے منصوبوں میں ہے۔ انگریزی اسکولوں کے نصاب میں ضروریاتِ دین کی تعلیم بھی ہے تاکہ اسکول میں پڑھنے والے طلبہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہوسکیں۔ تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی سرپرستی میں صفہ انگلش اسکول (بائیکلہ، ممبئی) اور حرا انگلش اسکول (مہاپولی، ضلع تھانے) کا قیام عمل میں آچکا ہے اور مستقبل قریب میں دیگر اسکولوں اور کالجوں کا قیام بھی تحریک کے منصوبوں میں ہے۔

تبلیغی خدمات: تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کا دعوتی وتبلیغی دائرۂ عمل علمائے اہل سنت کی سرپرستی میں روز افزوں ہے، ملک و بیرونِ ملک کے لوگ ایسے داعیانِ دین کے انتظار میں ہیں جو ان کی علمی و عملی تشنگی دور کرسکیں۔ ہندوستان کے درجِ ذیل صوبوں اور ان اضلاع کے علاقوں میں ہفتہ واری اجتماعات نیز اعلیٰ پیمانے پر سالانہ سُنی اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، مثلاً راجستھان، گجرات، کرناٹک، جھارکھنڈ، بہار، یوپی، آندھراپردیش، سوراشٹر، خاندیش، مہاراشٹرا، مدھیہ پردیش، کیرلا جیسے صوبوں میں بڑے بڑے سنی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں جن میں ہزارہا فرزندانِ توحید شریک ہوکر گناہوں سے تائب ہوتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تربیتی قافلے: تحریک سنی دعوتِ اسلامی کی جانب سے سہ روزہ، بارہ روزہ تربیتی قافلے بھی نکلتے ہیں جو مبلغین سنی دعوتِ اسلامی کی نگرانی میں دوسرے شہر یا گاؤں میں جاتے ہیں۔ ان میں

شریک ہونے والوں کی ہمہ وقت مبلغین نگرانی کرتے ہیں اور انہیں ہر کام میں سنتوں کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

ہفتہ واری اجتماعات: ہر سنیچر کو بعد نمازِ عشا مرکز اسماعیل حبیب مسجد میں سنتوں بھرا اجتماع ہوتا ہے، جس میں سیکڑوں فرزندانِ توحید و عاشقانِ مصطفیٰ شریک ہوکر مسائل شرعیہ سے آگاہی اور دینی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر و مضافات کی بیشتر مسجدوں میں مختلف دنوں میں ہفتہ واری اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔

بیرون ممالک تحریک کی سرگرمیاں: الحمد للہ! تحریک ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچ کر دین متین کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم ہے۔ جن میں برطانیہ، امریکہ، افریقہ، کناڈا، پرتگال وغیرہ سرفہرست ہیں جہاں سالانہ اجتماعات اور تبلیغی و اصلاحی پروگرامس ہوتے رہتے ہیں۔ سنی دعوت اسلامی کی جانب سے .U.K کے اندر مختلف مقامات پر ہونے والے ہفتہ واری اجتماعات کی قدرے تفصیل یہ ہے:

Preston, Bolton, Blackburn, Manchester, Leicester, London, Southampton, Peterborough

فقہی خدمات: مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ یو پی کا گیارہواں فقہی سیمینار ۲۹/۳۰/۳۱/ مارچ ۲۰۰۵ء کو تحریک کے زیر اہتمام منعقد ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں بھی اس طرح کے سیمینار منعقد ہوتے رہیں گے۔

حج تربیتی کیمپ: ملک و بیرون ملک میں حج تربیتی کیمپ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ہزارہا عازمینِ حرمین شریک ہوکر ارکان حج سے واقفیت حاصل کرکے حج کی درستگی اور آداب حاضریٔ مدینۃ الرسول سے آشنا ہوتے ہیں۔

طیبہ کلاسیز: اسکول اور کالجز کی چھٹیوں کے مواقع پر طیبہ کلاسیز کا ممبئی و مضافات میں متعدد مقامات پر انعقاد ہوتا ہے، باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں عصری علوم حاصل کرنے والے ان بچوں کو ناظرۂ قرآن مع رعایت قواعد تجوید، حفظِ سور، ایمانیات، اخلاقیات، غسل و وضو، نماز و روزہ کے ضروری مسائل، جنرل اسلامک نالج (Generel Islamic knowledge) کی عمدہ تعلیم دی

جاتی ہے،اس دوران ان کی تربیت پر بھر پور توجہ بھی دی جاتی ہے،دو ماہ کا یہ کورس مکمل ہونے کے بعد باضابطہ امتحانات ہوتے ہیں،اول دوم سوم آنے والے طلبہ کو انعامات دئے جاتے ہیں اور تمام کامیاب شرکا کو توصیفی سند بھی دی جاتی ہے۔نیز اسکول میں پڑھنے والے بچوں کے درمیان دینی و علمی بیداری پیدا کرنے کے غرض سے مظاہرۂ قرأت،نعتیہ وتقریری مقابلہ کا انعقاد سال کی مقدس راتوں مثلاً شبِ معراج،شبِ قدر،شب عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شب گیارہویں شریف وغیرہ میں کیا جاتا ہے،کثیر طلبہ ہر سال اس مقابلہ میں شریک ہوتے ہیں اور انعامات حاصل کرتے ہیں۔

سماجی خدمات: اجمیر مقدس میں عرس غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے موقع پر زائرین کو سہولت فراہم کرنے کے لیے سیکڑوں مبلغین کو متعین کیا جاتا ہے۔جو درگاہ کے حدود،وشرام استھل ،اکبری مسجد وغیرہ مقامات پر زائرین کے آمد ورفت کے لیے سہولت مہیا کرتے ہیں اور نظم وضبط کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ان کی خدمات سے خوش ہوکر درگاہ کمیٹی نیز انجمن سید زادگان نے امیر تحریک کے نام شکریہ نامہ تحریر کیا نیز پولس اہلکاروں نے تحریک کے مبلغین کے کارناموں کو خوب سراہا۔اس کے علاوہ تحریک سنی دعوتِ اسلامی سیلاب زدگان،زلزلہ زدگان کی بھرپور اعانت کرتی ہے نیز کالج فیس،اسکول فیس کے ذریعہ سیکڑوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول میں تعاون کیا جاتا ہے جن میں سے کچھ بچے اس وقت ڈاکٹر،انجینیئر وغیرہ بن رہے ہیں۔مریضوں کو طبی امداد وغیرہا خدمات بھی تحریک کے تحت جاری وساری ہیں جو طیبہ ویلفیئر ٹرسٹ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہیں۔

شعبۂ نشر واشاعت: کسی بھی تنظیم وتحریک کے لیے لٹریچرز کی اہمیت مسلم ہے،عوام اہل سنت کے لیے احکام شرعیہ پر مشتمل کتابوں کی اشاعت وقتاً فوقتاً مکتبۂ طیبہ کے زیر اہتمام ہوتی رہتی ہے۔ اب تک مکتبہ طیبہ سے تقریباً دو درجن چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو عوام وخواص میں مقبول ہوئیں،چند کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

☆ خطباتِ مفکر اسلام دوم☆ اسلام اور گلوبلائیزیشن☆ برکات شریعت جلد اول☆ داعیان دین کے اوصاف☆ عذاب قبر سے نجات کا ذریعہ☆ حقوق العباد☆ امام احمد رضا اور اہتمام نماز☆ سیرتِ خواجہ غریب نواز☆ ماہِ رمضان کیسے گزاریں؟☆ قربانی کیا ہے؟☆ عظمت

ماہ محرم اور امام حسین ☆ حقوق والدین ☆ ذکر الٰہی کی برکتیں ☆ حیاتِ مفتیٔ اعظم ہند کے تابندہ نقوش ☆ مژدۂ بخشش (مجموعۂ نعت امیر سُنی دعوتِ اسلامی) ☆ گلدستۂ سیرت النبی ☆ انوارِ مصطفیٰ ☆ موبائل کا استعمال قرآن کی روشنی میں۔ انگریزی کتابیں یہ ہیں:

Rights of Parents ☆ Blessed Sunnah ☆

Anware Mustafa☆ Islamic Rules☆

A journey through Ramdhan ☆

وغیرہ Use of Mobile in the light of Quran ☆

ان کے علاوہ اوراد و اذکار کی پاکٹ سائز کتابیں، قصیدۂ بردہ شریف، نعتوں کے حسین گلدستے وغیرہا بھی مکتبہ طیبہ سے شائع ہوکر عوام میں مقبول ہوچکے ہیں۔

سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی: سہ ماہی سُنی دعوتِ اسلامی تحریک کا موقر رسالہ ہے۔ جو جنوری ۲۰۰۵ء سے پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے، ملک وبیرونِ ملک کے ممتاز قلم کاروں اور اربابِ علم و دانش کے مضامین سے آراستہ ہوتا ہے۔ سہ ماہی سُنی دعوتِ اسلامی قرآن واحادیث نیز اسلافِ کرام کی صحیح تعلیمات کو مسلمانانِ اہلِ سنت تک پہنچانے کا عظیم ذریعہ ہے۔

طیبہ آڈیو کیبل: ایک ایسا نیٹ ورک ہے جو عوام اہل سنت میں دینی بیداری پیدا کرنے، مسائلِ شرعیہ کی تعلیم گھر گھر پہنچانے کے مقصد سے برسوں سے کام کررہا ہے، اس آڈیو کیبل سے ہزاروں افراد مستفیض ہوتے ہیں، اس طرح کے طیبہ آڈیو کیبل تحریک سنی دعوت اسلامی کی نگرانی میں ممبئی ومضافات میں اشاعت اسلام وسنیت کے لیے اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق لاکھوں افراد اس سے فائدہ حاصل کرکے اپنی عاقبت سنوارتے ہیں اور دینی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ تلاوت قرآن مجید اردو اور انگلش ترجمہ کے ساتھ آڈیو کیسٹیں، آڈیو اور ایم پی تھری سیڈیاں Audio & mp3 CDs، حضور مفکر اسلام کے فکر انگیز خطابات اور امیر سنی دعوت اسلامی کے اصلاحی بیانات اور الحاج محمد رضوان خان اور دیگر نعت خوانوں کی آواز میں نعت وغیرہ کی کیسٹیں اور سیڈیاں، لوگوں کو گناہوں سے نفرت، نیکیوں سے محبت اور ذمہ داری کا احساس دلانے کے لیے تحریک کی نگرانی میں مکتبہ طیبہ سے ریلیز کی جاتی ہیں جس سے عالمی سطح پر لوگوں کی

زندگی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔امیر تحریک کے اصلاحی بیانات سے متاثر ہو کر برطانوی حکومت نے انہیں بطور تحفہ شیلڈ پیش کیا،ورلڈ میمن آرگنائیزیشن World Memon Organization نے دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ایوارڈ سے نوازا۔

جدید ٹیکنالوجی کا استعمال: تحریک سنی دعوتِ اسلامی کے مشن کو فروغ دینے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی کیا جاتا ہے،جس کے لیے تحریک کے زیر نگرانی جاری اداروں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر و ٹیکنالوجی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور الحمدللہ! ان اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ و مبلغین جہاں تعلیمی و تدریسی و تبلیغی میدان میں اتر کر تحریک کے مشن کو عام کر رہے ہیں وہی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ بھی دین متین کی نشر واشاعت کر رہے ہیں۔تحریک کی ویب سائٹ (www.sunnidawateislami.net) کے نام سے سالہا سال سے دین کی تبلیغ کر رہی ہے۔اس ویب سائٹ پر اردو اور انگلش میں کتابیں بھی موجود ہیں جن سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں،مستقبل میں اسے مزید فعال و متحرک بنانے کا منصوبہ ہے۔تحریک کے سالانہ اجتماعات بھی پال ٹاک Paltalk کے ذریعہ نشر کیے جاتے ہیں۔ای میل آئی ڈی پر ملے ہوئے سوالات ومسائل کے تشفی بخش جوابات دیے جاتے ہیں جس کے لیے info@sunnidawateislami.net کے نام سے ای میل آئی ڈی بھی ہے۔

مستقبل کے منصوبے: ہائی اسکول اور کالج مع دارالاقامہ برائے طلبا و طالبات،اسپتال کا قیام،مسافر خانہ کا قیام،تربیت گاہ کا قیام،روحانی تربیب گاہ کا قیام،متعدد مقامات پر چھوٹی بڑی لائبریریوں کا قیام وغیرہ عالمی تحریک سُنی دعوتِ اسلامی کے مستقبل کے عزائم میں سے ہیں۔الحمدللہ ! ملک و بیرونِ ملک کے مختلف مقامات پر زمینیں لی جا چکی ہیں،اللہ عزوجل نے چاہا اور اس کے حبیب علیہ التحیۃ والثناء کا کرم شاملِ حال رہا تو تعمیری کام بھی بہت جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

قارئین کرام! آج ہم جس دور اور جن حالات سے گزر رہے ہیں اور جس فکری و نظریاتی یلغار سے ہم دوچار ہیں،اس کا شدید تقاضا ہے کہ ایک منظّم تحریک کے ذریعہ ہم مکمل طور پر متحد ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کے لیے مضبوط طاقت بن جائیں اور ہر میدان میں آگے بڑھ کر قانون کی روشنی میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی تگ ودو کریں۔اس مقصد کے لیے اس وقت عالمی تحریک

سنی دعوتِ اسلامی کا پلیٹ فارم ہمارے لیے انتہائی موزوں و مناسب ہے۔ ہمیں امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ سنی دعوتِ اسلامی ایک ایسی طاقت بن کر ابھرے گی کہ جس کے سامنے تمام دشمن طاقتیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوں گی۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم کچھ کر گزرنے کا عزم مصمم لے کر آگے بڑھیں۔ اس لیے کہ آج پوری امت مسلمہ سے تحریک اپیل کر رہی ہے:

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ مل کر کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء)

اسلامی معاشرے میں اسراف ایک مہلک مرض

اس کائنات رنگ و بو میں جتنی اشیا خالق کائنات کی تخلیق کا شاہکار ہیں وہ سب کی سب حد اعتدال پر قائم وموجود ہیں، اسی بنیاد پر انسان کی فطرت سلیمہ بھی اپنے گردو پیش کی ہر چیز کے حد اعتدال پر ہونے کا تقاضا کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ کسی چیز کے حد اعتدال سے تجاوز کرنے پر کراہت محسوس کرتی ہے۔ مثلا اگر کسی انسان کا کان اتنا بڑا ہو جیسے بیل یا ہاتھی کا کان تو یقیناً انسان کی فطرت سلیمہ اس سے کراہت محسوس کرے گی، یہی حال بدن انسانی کے سارے اعضا کا ہے کہ وہ سب اپنی جگہ حد اعتدال پر قائم ہیں۔ جب خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** فرما کر انتہائی معتدل ہونے کا اعلان فرمایا تو مشیت کو کب گوارا ہوگا کہ انسان کی عملی زندگی حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے جو دستور حیات متعین فرمایا وہ بھی افراط وتفریط سے پاک معتدل نظام کے تحت قائم ہے۔ یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ دین اسلام کے علاوہ جتنے بھی نام نہاد ادیان و مذاہب ہیں ان سب میں افراط وتفریط ہے۔ خواہ عقائد ونظریات کا معاملہ ہو یا اعمال کا سب میں تجاوز عن الحدود کی کیفیت پائی جاتی ہے، مگر اسلام میں کوئی عقیدہ یا کوئی عمل ایسا نہیں جو حد اعتدال سے متجاوز ہو۔

ہر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس بات کو اچھی طرح سے جانتا اور سمجھتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کا توازن برقرار رکھنے کے لیے صراط مستقیم اور جادۂ اعتدال پر چلنا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ اس کا حال ایسا ہی ہو جائے گا جیسے طوفانی ہواؤں اور موجوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کہ یاس وامید کی کشمکش میں سرگرداں ابھی ڈوبی ابھی نکلی۔ مگر آج دنیا کی رنگینیوں اور مادہ پرستوں کی عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی زندگی کو دیکھ کر اکثر مسلمان جادۂ اعتدال سے ہٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ عمدہ اور معتدل نظام زندگی کو چھوڑ کر مغربیت زدہ اخوان

الشیٰطین کی پیروی میں حد اعتدال سے تجاوز کر چکے ہیں۔ان کی عملی زندگی میں اسراف وفضول خرچی اس قدر بھیانک مرض کی شکل اختیار کرتا چلا جارہا ہے کہ الامان و الحفیظ! شرعی حدود میں رہ کر اگر دولت کا استعمال ہوتو یہ ہمارے حق میں بہتر ہے،مگر شرعی حدود سے تجاوز کر کے دولت کا استعمال ہمارے لیے دنیا وآخرت دونوں میں ضرر رساں ثابت ہوسکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں اسراف کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں،مثلاً موجودہ دور میں شادی بیاہ کی غیر شرعی وفضول رسمیں بھی ہمیں اسراف کی طرف لے جاتی ہیں،مثلاً بچے یا بچی کی شادی کی جہاں بات آتی ہے تو ایک باپ اپنی زندگی بھر کی محنت کی کمائی کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔بینڈ باجا،ویڈیو شوٹنگ،مختلف قسم کے کھانے جس میں کھانے سے زیادہ چیزیں ضائع کی جاتی ہیں ،آج کل شادیوں میں کھلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنا نام ونمود،ریا وسمعہ مقصود ہوتا ہے، بلکہ بعض تو سودی قرض لے کر ساری دولت کو فضول خرچیوں میں اڑا دیتے ہیں، پھر چند ہی دنوں بعد ذلت ورسوائی کے دلدل میں پھنس کر یا تو منہ چھپائے گھومتے ہیں یا پھر خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔(الا ماشاء اللہ) شرعی حدود میں رہ کر جہاں چند ہزار روپئے میں کام بن سکتا ہو، وہاں دس،بیس اور پچیس لاکھ خرچ کر ڈالنا کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ ہمارے خالق ومالک نے ارشاد فرمایا''**کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین**'' کھاؤ اور پیو مگر فضول خرچی نہ کرو کیوں کہ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ عزوجل پسند نہیں فرماتا۔

ایک اور مقام پر فضول خرچی کرنے والوں کی مذمت فرماتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:''**ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین**''. فضول خرچی ہرگز نہ کرو، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ان آیات مبارکہ میں ذرا غور کیجئے کہ فضول خرچی کتنا بھیانک جرم ہے کہ اس کا مرتکب اللہ عزوجل کی محبت ورحمت سے دور ہو جاتا ہے،شیطان اس کا اغوا کر لیتا ہے،اس سے نفسانی خواہشات کی پیروی کرا کے اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ پھر وہ شخص ہمیشہ قرض کے دلدل میں پھنسا رہتا ہے اور عزت ووقار اور سکون کی زندگی سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔

آج مسلمان فضول خرچیوں میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ دوسری قوموں کو انہوں نے

پیچھے چھوڑ دیا ہے، حد یہ ہے کہ مذہبی معاملات میں بھی فضول خرچیوں کا سلسلہ تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے، جیسا کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی بزرگ کے عرس میں یا عام مومنین کے لیے جو تیجہ یا چہلم کیا جاتا ہے اس میں یہ حال ہے کہ کارڈ تقسیم کر کے ایک بڑی دعوت کی جاتی ہے جس میں زیادہ تر اغنیا، اہل ثروت وصاحب اقتدار لوگوں کو بلا کر کھانا کھلایا جاتا ہے پھر فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری دعوت میں فلاں فلاں لیڈر آئے تھے۔ حالانکہ یہ شرعاً ناجائز وحرام ہے، کیوں کہ دعوت خوشی کے موقعوں پر مشروع ہے، غم کے مواقع پر نہیں، اور تیجہ وچہلم کے لیے حکم شرع یہ ہے کہ صرف فقرا ومساکین کو بلا کر انہیں کھلا دیا جائے تا کہ مرحوم کے لیے ایصال ثواب ہو سکے، مگر اس کے برعکس فقرا کو چھوڑ کر صرف اغنیا کو بلایا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسراف سے کام لیا جا رہا ہے۔

اسی طرح دینی جلسوں اور محفلوں میں ہار پھول اور لاکھوں روپیوں کا ڈیکوریشن کیا جاتا ہے، یوں ہی فضیلت والی راتوں میں بجائے نماز وذکر واذکار میں مشغول ہونے کے گلی کوچوں کے ڈیکوریشن میں لاکھوں روپئے خرچ کر رہے ہیں، محرم کا کھچڑا بنانے کو تیار ہوئے تو دوسو ڈیگ کھچڑا بن رہا ہے جبکہ کھانے والے اتنے ہیں کہ صرف پچاس ڈیگ کافی ہو اور باقی پھینکا جا رہا ہے یا تقسیم کیا جا رہا ہے اور ہندوؤں کو بانٹا جا رہا ہے۔ کیا یہ سب چیزیں اسراف نہیں ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر ان کی تعظیم کے لیے صرف ایک چادر رکھنے کا حکم ہے مگر آج حال یہ ہے کہ لاکھوں روپئے کی چادریں چڑھ رہی ہیں۔ کہیں کسی بزرگ کے مزار کا گنبد بن رہا ہے اس کے لیے ساٹھ لاکھ روپئے خرچ ہو رہے ہیں۔ آپ ضرور نیاز کریں، آپ ضرور گنبد بنائیں، چادر چڑھائیں، لیکن اعتدال قائم رکھیں اور اگر تاجدارِ کربلا اور اولیائے کرام علیہم الرضوان کی خوشی حاصل کرنا ہے تو ان کے مشن پر اپنی دولت کو خرچ کریں، ان کے نام سے منسوب مدرسہ، کالج، ہاسپٹل، مسجد اور فلاحی ادارے قائم کریں، تا کہ ان کی روحیں خوش ہوں اور ان کی بارگاہ سے فیض حاصل ہو۔

آخر ہمارے مسلمان بھائی اس سلسلے میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ہمارا مال، ہماری دولت کہاں خرچ ہو رہی ہے، شادیوں اور فضول رسموں میں لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرنے والے کاش یہ سوچ لیتے کہ ہماری یہی رقم اگر کل امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف ہوتی تو یقیناً ہماری قوم کا مستقبل روشن وتابناک ہوتا۔ یہ کیوں نہیں غور کرتے کہ ہماری آبادی کے تناسب سے

ہمارے پاس کتنے کالج، کتنی یونیورسٹیاں اور کتنے ہاسپٹلس ہیں۔ جب کہ دوسری قومیں اپنی دولت کا استعمال ان چیزوں میں کر کے ہم سے بہت آگے بڑھ چکی ہیں۔ حال یہ ہے کہ ہمارے کسی بچے کو اعلیٰ تعلیم دلانا ہو تو ہمیں عیسائیوں کے کالج اور یونیورسٹیوں میں ایڈمیشن دلانا پڑتا ہے، اور اس کے لیے کافی دھکے کھانے پڑتے ہیں، کافی سفارشات کے بعد کہیں کچھ گنجائش نکل آتی ہے۔ آخر ہم نے یہ اقدام اب تک کیوں نہیں کیا کہ ہمارا بچہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ہمارے ادارہ میں رہ کر حاصل کر سکے۔ اسی طرح اگر ہمیں اچھے سے اچھا علاج کرانا ہو تو ہم ان کے ہاسپٹل کے محتاج ہیں۔ آخر ہم نے اپنی قوم اور اپنے نونہالوں کے روشن مستقبل کے لیے کیا کیا ہے؟ اگر ہمارا یہی حال رہا تو ہماری آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

ہم کو تو یہ چاہئے تھا کہ ہم میں کے مخلص افراد مل کر ایک ایسا بیت المال بنائیں کہ جس میں تمام مسلمان اسراف سے بچتے ہوئے اپنی دولت کو اس میں جمع کرتے رہیں پھر اس کا استعمال صحیح طور پر اخلاص کے ساتھ قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے ہوتا رہے۔ تا کہ ہم آئندہ نسلوں کے روشن مستقبل کے لیے تعمیر و ترقی کے کچھ کام کر سکیں، اور دوسری قوموں کے سامنے فخر کے ساتھ ہم اپنا سر بلند کر سکیں۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم اسراف سے مکمل طور پر پرہیز کر کے شرعی حدود میں اپنی دولت کا استعمال کرنے کا عزم مصمم کر لیں۔ اور اپنے نام ونمود اور دنیوی شہرت کو یکسر بھول جائیں صرف اور صرف امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کی فکر پیدا کریں۔

(اپریل تا جون ۲۰۰۸ء)

خیر امت خیر خواہی سے دور کیوں؟

اللہ رب العزت نے تمام انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جو مقام ومرتبہ اور فضائل وکمالات اپنے محبوب مکرم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے وہ کسی اور نبی کو حاصل نہ ہو سکے۔وہ سید المرسلین بھی ہیں، رحمۃ للعالمین بھی، فخر عالم و بنی آدم بھی ہیں، عالم ما کان وما یکون بھی ہیں، جانِ کائنات ومختار کائنات بھی، محبّ الفقرا والمساکین اور محبوب رب العالمین بھی ہیں۔انہیں بے شمار فضائل وکمالات کی بیش بہا برکتیں ہیں کہ رب قدیر جل جلالہ نے آپ کی امت کو تمام امتوں میں وہ اعزاز عطا فرمایا کہ خیر امت کا لقب عظیم عطا فرمایا۔جیسا کہ قرآن مقدس شاہد ہے: ’’کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون بالله‘‘ تم سب سے بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

رب تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو اس قدر کثیر نعمتوں سے سرفراز فرمایا کہ جس کا احاطہ وشمار ہم نہیں کر سکتے۔اگلی امتوں میں کسی امت کو وہ شرافت و بزرگی اور فضیلت وکرامت عطا نہیں فرمائی جو اپنے پیارے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو مرحمت فرمائی۔جس کے سبب اس امت کو ساری امتوں میں سب سے اعلیٰ وافضل اور سب سے بہتر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔جس کا تذکرہ آسمانی صحائف نیز توارت و زبور اور انجیل میں موجود ہے۔اسی فضل وشرف کی بنیاد پر بہت سارے انبیائے کرام علیہم السلام نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے ہونے کی تمنا وخواہش ظاہر فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی ’’اے میرے مولیٰ توارت مقدس میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پایا ہوں جس کے گناہ

نیکیوں سے تبدیل ہو جائیں گے، لہٰذا اس امت کا مجھے نبی بنا دے'' حکم ہوا ''اے موسیٰ! وہ تو میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہے''۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی ''اے مولیٰ! توراتِ مقدس میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں جو اسلام قبول کرنے میں تو سب سے مؤخر، لیکن سب سے پہلے جنت میں جائے گی، لہٰذا اسے میری امت بنا دے'' پروردگار عالم کا حکم ہوا ''اے موسیٰ (علیہ السلام)! وہ امت میرے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ہے''۔ تب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عرض کیا ''خداوندا! وہ امت ایسی جامعِ فضائل ہے تو مجھے اس امت میں داخل فرما دے''۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق سے بھی روایت موجود ہے کہ آپ نے بھی نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے ہونے کی تمنا کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امت مرحومہ دیگر امم سے فضل و شرف میں کس قدر بلند تر ہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ جاننا بھی بے انتہا ضروری ہے کہ جس کا مرتبہ جتنا بلند ہوتا ہے اتنی ہی اس کی اہم ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور جس کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہ بہت جلد اپنے مقام و مرتبہ کو کھو دیتا ہے۔ پھر یہیں سے ذلت و رسوائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آج پوری امت مسلمہ کو من جانب اللہ عطا کردہ مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی سب سے اہم ذمہ داری کا احساس اور اس کی ادائیگی میں محنت و جانفشانی کی سخت ضرورت ہے۔

مگر سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مختلف افکار و نظریات لوگوں کے درمیان پائے جاتے ہیں، کچھ لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ خوب زیادہ مال و دولت اور جائیداد اکھٹا کر لینا اور اقتدار، عزت و شہرت حاصل کر لینا یہی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اسی فکر میں صبح و شام دوڑ دھوپ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس پر طرفہ تماشا یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی پکے دیندار ہیں......اور کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ چند جو مشہور عبادتیں ہیں، ان کو رسمی طور پر ادا کر لینا یہی ہماری ذمہ داری ہے اور دین اسی کا نام ہے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ عید و بقرہ عید وغیرہ چند نمازوں کے لیے مسجد میں چلے آتے ہیں، رمضان شریف آئے تو چند روزے رکھ لیتے ہیں اور رسمی طور پر حج و عمرہ بھی ادا کر لیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ سارے افعال و حرکتیں ان سے جاری رہتی ہیں جو سراسر مفہوم دین کے منافی ہیں۔

گویا انہوں نے حقیقت دین اور اپنی اہم ذمہ داریوں کو سمجھا ہی نہیں۔اور کچھ لوگوں کا معاملہ ایسا ہے کہ عبادتوں سے تو کوسوں دور، ڈھول باجے تماشے، قوالی ولنگر، ناچ گانے والے خرافات سے معمور جلسے، جلوس بس انہیں چیزوں کوانہوں نے دین اور اپنی اہم ذمہ داری سمجھ لیا ہے۔جب کہ ہمیں تو یہ چاہیئے کہ اپنے مصنوعی افکار ونظریات کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک میں اس کا حل تلاش کریں کہ دین کی حقیقت اور ہماری اہم ذمہ داری کیا ہے؟ تفصیل سے اجتناب کرتے ہوئے مسلم شریف کی صرف دوحدیثیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جس سے ان شاءاللہ مقصود بالکل واضح ہو جائے گا۔

(۱)**عن تميم الدارى ان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال الدين النصيحة، قلنا لمن؟ قال لله و لكتابه و لرسوله و لائمة المسلمين و عامتهم.**

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: دین خیرخواہی (کا نام) ہے۔ہم نے عرض کیا: کس کی خیرخواہی؟ آپ نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، ائمۂ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی۔(مسلم کتاب الایمان، ج۱)

مذکورہ حدیث پاک میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کومطلق خیرخواہی سے تعبیر فرمایاہے، یعنی خیرخواہی کا نام ہی دین ہے۔مگر یہاں پر چوں کہ خیرخواہی کا لفظ کافی تفصیل طلب تھا اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فوراً اس کی وضاحت چاہی اور عرض کردیا کہ حضور! کس کی خیرخواہی کا نام دین ہے؟ تب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ کی خیرخواہی، کتاب اللہ کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، ائمۂ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی۔

اب یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جن حضرات کے متعلق خیرخواہی کا ذکر کیا گیا ہے ان کے ساتھ خیرخواہی کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ شارحین حدیث کی تشریحات سے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیرخواہی کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو ہرعیب سے پاک ومنزہ ماننا، اس کی ذات اقدس اور تمام صفات پر ایمان لانا اور اس کے جملہ احکامات کی پیروی کرنا۔اگر بغور دیکھا جائے تو یہ اپنے ہی حق میں خیرخواہی ہے، کیوں کہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا اور اللہ تعالیٰ تو کسی کی خیرخواہی سے

بالکل بے نیاز ہے۔ کتاب اللہ کی خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے مقدس کلام قرآنِ مجید پر مکمل ایمان لا کر اس کا احترام اور اس کی تعظیم کرے، نیز اس کی تلاوت، اس کی آیاتِ کریمہ میں تدبر اور اس کی ہدایت کو قبول کرتے ہوئے اس کے مقتضی پر مکمل عمل پیرا ہونا، یہی اس کی خیر خواہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لا کر آپ کی پیش کردہ ساری خبروں کی تصدیق اور آپ کے بیان فرمائے ہوئے جملہ احکامات کا اتباع اور پیروی کرنا اور ساتھ ہی ساتھ آپ کو اپنی جان اور تمام اشیا سے زیادہ محبوب و پسندیدہ رکھنا اور سچے دل سے آپ کی تعظیم و توقیر، آپ کے محبوبوں سے محبت اور آپ کے دشمنوں سے عداوت و نفرت رکھنا۔ اسی طرح ائمۂ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ اگر ان سے حکام مراد ہیں تو نیکی میں ان کی اطاعت کرنا، ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرنا اور اگر ان سے ائمۂ مجتہدین یا اصحاب فتاویٰ علما مراد ہیں تو ان کی تقلید کرنا اور اصولِ شرع کی روشنی میں استنباط کیے ہوئے ان کے فتاویٰ پر عمل کرنا۔ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کیا ہے؟ ہر وقت اس مسئلہ کو سمجھنا اور اس کی طرف توجہ زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ ایک جلیل القدر صحابیِ رسول حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اسی پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی۔ **عن جریر قال بایعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم علی اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ و النصح لکل مسلم.**
حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ہے۔

(مسلم شریف، کتاب الایمان، ج۱)

یہ مسئلہ قابل توجہ اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کتاب اللہ اور ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کے تعلق سے عام طور پر اتنی غفلت و کوتاہی نہیں ہے، جتنی عام مسلمانوں کے متعلق ہے، جسے خیر امت قرار دیا گیا وہی جذبۂ خیر خواہی سے دور ہوتی نظر آ رہی ہے۔

ہم اپنے مسلم معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سارے ایسے معاملات سامنے آتے ہیں کہ ایک دردمند حساس مسلمان کا دل کانپ اٹھتا ہے، جیسا کہ ایک مسلمان جو نمازی ہے، اسلامی لباس، چہرہ پر داڑھی اور حاجی بھی، مگر دوسرے مسلمان بھائی کو ضرر و تکلیف پہنچانے میں ذرہ برابر دریغ نہیں

کرتا، ہر میدان میں ایک دوسرے کے لیے دست بگریباں نظر آتا ہے۔ آخر عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ کہاں چلا گیا؟............انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی خیر خواہی تو بہت دور کی بات ہے، بلکہ اسے ذلیل ورسوا کرنے ،اس پر بے جا افترا و بہتان باندھنے اوراس کے خلاف محاذ قائم کرنے کی کوشش میں شب و روز مصروف ہے اوراس پر بے دریغ دولت بھی خرچ کر رہا ہے۔ کیا خیر امت کی یہی شان ہے؟............آج سب کو اپنی روزی روٹی، اپنی عزت وشہرت اوراپنے اقتدار کی تو فکر ہے،مگر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خیر خواہی کا درس دیا تھا، جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل کر کے دکھایا تھا، وہ سب کچھ آج ہم بھول چکے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

ہمارے آقا و مولیٰ حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو متعدد احادیث کریمہ میں عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا احساس دلاتے ہوئے ان افعال کو بیان فرمایا جن سے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے محبت ہوسکتی ہے، جن کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت سلام میں پہل کرے،اگر وہ سلام کرے تو اس کا جواب دے، چھینک آنے پر وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے،اس کے بال بچوں کی خبر گیری کرے اورضرورت پڑنے پر اس کی مدد کرے،موت پر اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو،موت کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرے، اگر کوئی مسلمان قسم کھالے تو اس کی قسم پوری کرنے میں اس کی مدد کرے، ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرے،اس کی غیر حاضری میں اس کے گھر کی حفاظت کرے، آپس میں اگر نا چاقی ہو تو تین دن سے زیادہ اس سے سلام وکلام بند نہ کرے، کسی زیادتی پر انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کر دے، جو مسلمان کسی دینی یا دنیوی معاملہ کا علم نہ رکھتا ہو اس کو وہ علم سکھائے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کرے، اپنی ذات سے کسی مسلمان بھائی کو تکلیف نہ پہنچنے دے، ہر مسلمان کے ساتھ عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آئے، اپنے لیے جو پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے، ہر مسلمان سے مسکراتے ہوئے ملے، ہمیشہ سچ بولے، وعدہ وفا کرے، امانت

میں خیانت نہ کرے، اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادے، کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے، نہ چغلی کھائے، نہ اس پہ افترا باندھے، نہ اس کے بارے میں بدگمانی کرے، نہ اس کے شخصی احوال کی کھوج میں لگا رہے، اگر کسی مسلمان کے عیب پر مطلع ہو تو اس کی پردہ پوشی کرے، بیماری، تنگدستی، یا کسی بھی ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کرے، اس پر کوئی مصیبت یا تکلیف آئی ہو تو اس پر خوش نہ ہو، بلکہ اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے، اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

آج ہم اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لیں اور اپنے ضمیر سے سوال کریں کہ کیا یہ مذکورہ بالا باتیں ہمارے اندر موجود ہیں؟ یقیناً دل گواہی دے گا کہ آج ہم مکمل طور پر ان باتوں سے عاری ہیں (الا ماشاء اللہ) ہم میں اکثر تو فقط ذاتی مفاد کی فکر میں سرگرداں ہیں، مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ بالکل مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے، مگر اس کا نقصان اور برا انجام سب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ کاش ہمارے اندر وہی جذبہ پھر سے بیدار ہو جاتا جو صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھا، اسی خیر خواہی کے جذبہ نے انہیں پوری دنیا میں عزت و سرفرازی کے سب سے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا تھا۔ جب کہ وہ دنیوی چمک دمک سے دور دولت دنیا سے نفور اور حب جاہ سے بالکل کنارہ کش تھے۔ مگر آج دنیا ہم پر اس قدر غالب آچکی ہے کہ ہم صرف دنیوی مال و جاہ کے سبب مغرور و متکبر ہو چکے ہیں اور دولت کی فراوانی کے باعث اپنا دین اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اپنی موت اور بارگاہِ خداوندی میں جواب دہی کو بھی ہم بھول چکے ہیں۔ اسی لیے مجاہد آزادی حضرت مفتی کفایت اللہ کافی علیہ الرحمہ نے ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کیا خوب کہا:

اطلس و کم خواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

دین خیر خواہی کا نام ہے، لہٰذا خیر خواہی کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں اور دنیا و آخرت میں اللہ عزوجل کی رضا حاصل کریں۔ (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء)

ہم جنسی ایک بھیانک موذی مرض

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا، اس پر شرم وحیا کی چادر اڑھا دی گئی، اسے فطری خواہشات کی تکمیل اور قضائے شہوات کے لیے عمدہ اور مہذب طریقے عطا کیے گئے، تا کہ وہ شرافت و پاکیزگی کا بھرپور مظاہرہ کر سکے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو سکے اور یہی رب تبارک وتعالیٰ کی منشا و مرضی بھی ہے کہ اس کے بندے خالص اسی کی بندگی کرتے ہوئے اس انداز سے زندگی گزاریں کہ ان کا پورا معاشرہ بے حیائیوں اور بدکاریوں سے محفوظ طہارت ونظافت کا اعلیٰ نمونہ بن جائے۔ مگر شیطان صفت مغربی معاشرہ کے درندوں نے اس مہذب و پاکیزہ معاشرہ پر ایسا شب خون مارا کہ شرم وحیا کا جنازہ نکل گیا۔ اخلاقی قدریں تہس نہس ہوگئیں، بے حیائیوں اور بدکاریوں کا سیلاب اس قدر تیزی کے ساتھ پورے معاشرے کو اپنی چپیٹ میں لے لیا کہ آج انسان فقط اپنی لذتوں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے شرم وحیا سے عاری ہو کر رذیل جانوروں کی صف میں کھڑا ہو گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ یہ خبریں پرزور انداز میں نشر ہو رہی ہیں کہ ہم جنسی کی طرف لوگوں کا میلان کافی سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے حتیٰ کہ اس کے لیے قانونی اجازت حاصل کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ہم جنسی کی مذمت: قرآن وحدیث اور کتب تاریخ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ہم جنسی یعنی مردوں کا مردوں سے اور عورتوں کا عورتوں سے خواہشات پوری کرنے کا عمل اس قدر منحوس اور بدترین جرم ہے جس کا ارتکاب دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے کیا۔ اس جرم کے سبب اس قوم پر دنیا ہی میں ایسا دردناک عذاب نازل کیا گیا کہ تاریخ عالم میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ انہیں پتھروں سے سنگسار کر کے ان کی بستیوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس بھیانک عذاب کا اثر آج تک اس انداز میں موجود ہے کہ جس جگہ یہ بستیاں الٹی گئیں وہاں ''بحر مردار'' کے نام سے ایک ایسی

جھیل بن گئی جس میں کوئی بھی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی ۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ان من اخوف ما اخاف علی امتی او علی هذه الامة عمل قوم لوط" ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف وخطرہ ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔(شعب الایمان ج:۴ص:۳۵۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب دو مرد ایسا کام کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے یعنی ان پر زنا کی حد جاری کی جائے ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا کہ اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر سنگسار کر دیا جائے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خط لکھا کہ انہوں نے بعض قبائل عرب میں ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے (یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے) جب یہ خط حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے؟ تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں، لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے ۔چنانچہ دیگر صحابۂ کرام کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ شخص کو جلا دینے کا حکم دیا۔(شعب الایمان ج:۴ص:۳۵۷)

موجودہ دور میں ہم جنسی کی لعنت مغربی ممالک میں سب سے زیادہ تھی ۔مگر اب اس کا اثر ہندوستان میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے جیسا کہ اخبار اردو ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے پچیس لاکھ (۲۵) ہم جنس پرست مرد وخواتین آج کل بہت خوش ہیں کہ انہیں اپنی غیر قانونی غیر اخلاقی اور غیر انسانی عادت کو قانوناً جائز قرار دینے کی امید نظر آنے لگی ہے۔گزشتہ دنوں دہلی میں ہم جنس پرستوں نے ایک ریلی نکالی ۔دہلی کی پارلیمینٹ اسٹریٹ پر سو ڈیڑھ سو ہم جنس پرست مرد وخواتین جمع ہوئے اور انہوں نے اپنی اس غیر انسانی حرکت کو جائز قرار دیے جانے کا مطالبہ کیا۔انتہائی افسوسناک بات تو یہ ہے کہ ملک کے وزیر صحت نے انہیں امید دلائی ہے بلکہ اس

غیر انسانی فعل کو جرم قرار دینے والے قانون دفعہ ۳۷۷ کو ختم کرنے کی بات کہی ہے۔

ہمارے مسلم سیاسی لیڈروں کو کیا ہوگیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں سانپ سونگھ گیا ہے یا کرسی واقتدار کی لالچ میں ان کی زبانوں پر تالے لگ چکے ہیں کیا ان کا ضمیر اتنا مردہ ہوگیا ہے کہ ایسی مذموم حرکت جو کہ صرف غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ غیر انسانی وغیر اخلاقی بھی ہے اس کو قانوناً جائز قرار دینے کی بات کہی جارہی ہے اور یہ بالکل خاموش ہیں، کیا انہیں اتنا بھی ہوش نہیں ہے کہ آج اگر ان نانہجاروں کو ہندوستان میں قانونی جواز مل جائے تو پھر دگر سماجی برائیوں کو جائز قرار دئے جانے کی راہ ہموار ہو جائے گی، وزیر صحت کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس غیر انسانی حرکت کے لیے قانونی جواز فراہم کرنا ایک بہت ہی بھیانک موذی مرض کو دعوت دینا ہے بلکہ وہ بھیانک مرض عذاب کی شکل میں پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ ہمارے ملک کے متعلق میڈیا کو حاصل ہونے والے سرکاری ذرائع کے مطابق اس وقت ملک میں ہم جنس پرست مرد وخواتین کی تعداد پچیس لاکھ (۲۵۰۰۰۰) اور ان میں سے پندرہ فیصد یعنی تقریباً پانچ لاکھ ہم جنس پرست ایڈز (Aids) کے موذی مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ انسداد ایڈز ایجنسی (Naco) کے مطابق اس وقت ملک میں ایڈز کے فروغ دینے میں یہ طبقہ سب سے آگے ہے۔

ہم جنس پرستی کو عام کرنے کی سازش: ابھی چند سالوں سے عصری علوم کے ادارے اور اسکولوں میں جنسی تعلیم (Sex Education) کو داخل نصاب کرنے کی باتیں ہورہی ہیں بلکہ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ملک کی ساٹھ ہزار اسکولوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے۔ یہ بھی ملک میں فحاشی اور بے راہ روی کو عام کرنے بالخصوص ہم جنس پرستی کو رواج دینے کی سب سے بڑی سازش ہے اس کے طریقہ تعلیم سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں جیسا کہ بتایا گیا کہ ڈیجیٹل ملٹی کلر بینرس اور پوسٹروں کے ذریعہ اور تصویروں اور ماڈل کے ذریعہ بچوں اور بچیوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو واضح کیا جاتا ہے بڑھتی عمر جوانی کی آمد آمد پر لڑکے اور لڑکیوں میں کیا اور کون سے اعضائے انسانی میں تبدیلی آتی ہے، بلوغت کی علامات کیا ہیں اور ماڈل کی مدد سے کنڈوم چڑھانے اور اتارنے کی مشق اور جنسی عمل کا طریقہ کیا ہے؟ اس طرح کی چیزیں جب طلبہ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو ظاہری بات ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے پھر وہ خواہشات کی تکمیل کے لیے عملی

مشق کے طور پر غیر اخلاقی حرکتوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔کیا یہ ہم جنس پرستی اور زنا کو عام کرنے کی سازش نہیں ہے۔جب اس پر سوال کیا جاتا ہے کہ آخر اس تعلیم کی ضرورت کیوں پیش آئی تو عیاش ذہن کے حاملین کہتے ہیں کہ (Hiv) جیسی بیماری کے تدارک کے لیے ضروری ہے،مگر ان عقل کے اندھوں کو سب سے پہلے ان ممالک کا جائزہ لینا چاہئے جہاں سیکس ایجوکیشن جاری ہے وہاں اس بے ہودہ تعلیم سے (Hiv) کے مریضوں میں کمی ہوئی ہے یا اضافہ؟

جنسی تعلیم کے مضر اثرات : امریکہ کی ۲۰۰۷ء کی رپورٹ کے مطابق پورے ملک میں ۵۷ لاکھ افراد (Hiv) کا شکار ہیں،وہاں کی پولیس رپورٹ کے مطابق روزانہ ۹ سال سے ۱۴ سال کے درمیان کی بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) لڑکیاں اسقاط حمل (Abortion) کراتی ہیں ،انگلینڈ کی اسکولوں میں خادمہ خالہ کی طرح باضابطہ نرسوں کا تقرر ہورہا ہے جو کلاس میں داخلے سے قبل لڑکیوں کے درمیان مانع حمل دوائیاں تقسیم کرتی ہیں۔کچھ لڑکے اپنی ہی بہنوں کے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کرتے ہوئے پکڑے گئے ،تنبیہ کی گئی تو جواب ملتا ہے کہ اسکولوں میں جو تعلیم دی گئی اس کی عملی مشق (Practical) کررہے تھے۔سیکس ایجوکیشن کے مضر اثرات کی بناپر اسکولوں کے معلم و معلّمہ بھی اپنے جذبات پر قابو پانے میں ناکام رہے اور غیر اخلاقی حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑے گئے۔یہی وجہ ہے کہ اب یورپ و انگلینڈ میں (Hiv) کے تدارک کے لیے سیکس ایجوکیشن کو ختم کرنے پر بحثیں ہورہی ہیں۔مگر ہماری قوم کے دانشوران و لیڈران خواب غفلت سے کب بیدار ہوں گے؟ معیار تعلیم متاثر ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، ملک کے معصوم بچوں سے ان کی معصومت اور ان کا بچپن چھینا جارہا ہے،شرم وحیا جو بے حیائیوں اور بدکاریوں کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اس کا خاتمہ کیا جارہا ہے۔طہارت و پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین گھروں میں پرورش پانے والے بچوں کو سیکس ایجوکیشن کے ذریعہ شرم وحیا سے عاری انتہائی بد خلق اور رذیل جانوروں کی صف میں کھڑا کیا جارہا ہے۔

کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھولو گے ذرا دیکھو تو سہی پانی سر سے اوپر ہوچکا ہے، چین و سکون غرق ہوگیا ہے اگر اب بھی حفاظتی تدابیر کا انتظام نہ ہوا تو یقیناً ایڈز سے بھی بڑی لا علاج بیماری عذاب کی شکل میں نمودار ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری آبادیاں غائب ہوجائیں گی، پھر کوئی نام

ونشان بھی باقی نہ رہے گا کہ یہاں کوئی آبادی تھی۔

احتیاتی تدابیر: یہ بات بالکل مسلم ہے کہ ایڈز اور (Hiv) جیسے مہلک امراض کا سبب عظیم ہم جنسی اور زنا ہی ہے۔لہٰذا ہم جنسی اور زنا سے بچنے کے لیے وہ تمام دروازے بند کردیے جائیں جو اس منحوس عمل تک پہنچانے والے ہیں ، بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے۔بعض تابعین حضرات کا فرمان ہے کہ دین دار اور عبادت گزار نوجوانوں کے لیے پھاڑ کھانے والے درندوں سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ وہ خوبصورت امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ والرضوان حمام میں داخل ہوئے تو وہاں ایک خوبصورت لڑکا بھی آ گیا تو آپ نے فرمایا پہلے اسے باہر نکالو کیوں کہ عورت کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس سے زائد شیطان ہوتے ہیں۔

موجودہ دور کے پرخطر و پرفتن ماحول میں ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیروں کی طرح اپنی شرم وحیا اور اخلاق کا سودا نہ کرے بلکہ اس کی بھرپور حفاظت کرے۔حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے اور اپنے گھر کے تمام افراد کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھے، اپنے گھروں کے اندر موجودہ شیطانیت کے مبلغ اعظم ٹی ،وی ، انٹرنیٹ اور موبائیل کے زہریلے جراثیم یعنی حیا سوز گندی فلمیں اور عریاں تصویروں کے ذریعے اپنے ایمانی ماحول کو گندہ اور نجس ہونے سے بچائیں بالخصوص جنس پرستی کی لعنت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں ، بزرگوں کے حالات اور ان کے تقویٰ وپرہیز گاری کے واقعات سنا سنا کر بچوں کو طہارت و پاکیزگی اور شرافت و نظافت کی ترغیب دلاتے رہیں۔اللہ عزوجل اپنے فضل وکرم اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ہر مسلمان کو اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور تمام برائیوں اور بے حیائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء)

ہماری دعوت غیر مؤثر کیوں؟

آج دنیا تاریخ کے جس موڑ پر کھڑی ہے وہ ایک ایسا لمحہ ہے کہ جب لمحے بھر کی غفلت انسان کو اپنے مطمحِ نظر سے صدیوں دور پھینک سکتی ہے اور ایک لمحے کی محنت اور توجہ انسان کو اپنی اصل منزل سے قریب بھی کر سکتی ہے۔ ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آج پوری دنیا میں دن بدن ایک نیا انقلاب اور ہر طرف تغیر و تبدل کا عمل جاری ہے۔ عصر حاضر میں جس تیزی سے تغیرات برپا ہو رہے ہیں اس کا کوئی تصور آج سے سو سال پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مادیت کے غلبے کے سبب مغربیت کی بادِ سموم نے اسلامی روحانی معاشرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس کے نتیجے میں وہ قوم جو قرآنِ مقدس کے نورِ مبین سے ہدایت حاصل کر کے زمین کی پشتوں سے اُٹھ کر عرش کی بلندیوں پر آشیاں بند ہو گئی تھی، جس نے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو انفرادی و اجتماعی بداخلاقی کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی وادیٔ ایمن تک پہنچانے کا بیڑا اپنے سر اُٹھا لیا تھا، آج وہ بھی اپنا دیرینہ کردار انجام دینے سے قاصر ہو چکی ہے۔ اب وہ خود ایسے ناخدا کی تلاش میں سرگرداں ہے جو اُس کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ساحل آشنا کر دے۔

اُمتِ مسلمہ کا عروج و زوال:

یہ بھی ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ قومِ مسلم جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظامِ حیات کو اپنے دل و دماغ میں بسائے ہوئے فرطِ عقیدت سے اس پر عمل پیرا رہی اور اس کی تنفیذ و ترویج میں مخلصانہ جدوجہد کرتی رہی، ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی رہنمائی کے لیے اپنی بیش بہا قربانیاں پیش کرتی رہی، اُس وقت تک اُس کی شان و شوکت، عزت و سطوت باقی رہی، فتح و نصرت سے ہمکنار رہی۔ جس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا

کہ ساری باطل قومیں اس کے خوف سے لرزہ براندام، عاجزی وانکساری کے ساتھ اس کے دامنِ کرم میں پناہ لینے پر مجبور تھی مگر آج وہی قوم نفس وشیطان کے دامِ تزویر میں بری طرح پھنس کر اپنا وقار کھو چکی ہے۔ کارگاہِ حیات میں جس کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی۔

عظمت رفتہ کی بازیابی کیسے ہو:

بلاشبہہ دعوت وتبلیغ جملہ انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم السلام کی سُنّتِ پاک رہی ہے، اُن نفوسِ قدسیہ نے اپنی پوری زندگی اسی کے لیے وقف کردی تھی۔ بالخصوص نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بے پناہ قربانیاں پیش فرماتے ہوئے اپنی اُمت کو یہ درس دے دیا کہ اسلام کا وہ مضبوط قلعہ جسے خالقِ ارض وسمانے قیامت تک تمام دنیائے انسانیت کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ بنایا، جس کی آغوشِ تربیت میں آکر انسان شیطان کی چیرہ دستیوں، شب خونوں، ظالموں کی ستم رانیوں اور ذلت ورسوائی کی تمام لعنتوں سے محفوظ و مامون ہوجاتا ہے۔اسی مضبوط قلعے کی آغوشِ حفاظت میں آکر اسی کے نظام کو پوری دنیا میں نافذ کرنا ہماری عین ذمہ داری ہے۔اس لیے کہ جہاں ایک طرف انقلاباتِ زمانہ کی تیز وتند آندھیاں ہمارے ایمان وعقیدے کو یکسر نیست ونابود کرنے میں مصروف ہیں، وہیں دوسری طرف مغربیت کی حیاسوز تہذیب کی یلغار ہمارے اعلیٰ وعمدہ اخلاق و کردار کا جنازہ نکالنے کے لیے پوری طرح آمادۂ پیکار ہے۔

افسوس! ایسے سنگین حالات میں ہم غفلت کیشی اور تساہلی کا مظاہرہ کررہے ہیں، مال ودولت کی محبت اور دنیوی آسائش کی فکر میں ہمارے شب وروز گزر رہے ہیں، خلوص وللّٰہیت کے بجائے شخصی اور ذاتی مفادات کے حصول میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف ہورہی ہیں۔ دل ودماغ، فکر و تخیل اور قول وعمل میں اتحاد ویگانگت نظر نہیں آتی، بلکہ الا ماشاء اللہ ہر جگہ دورنگی پالیسی، قول وعمل میں تضاد نظر آتا ہے۔ بہ قول شاعرِ مشرق:

زباں نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یقیناً دعوت وتبلیغ کی راہ میں ایسے گھناؤنے اخلاق اور صفاتِ ذمیمہ سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بے پناہ کدوکاوش، جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود ہماری دعوت غیر مؤثر

ہو کر رہ گئی ہے......اب ہمیں پھر اپنے دِل کو ٹٹول کر اپنے اعمال و کردار کا صحیح جائزہ لینا ہوگا،فکر و تدبر کے غلط استعمال اور تمام معاملات میں افراط و تفریط سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہوگا، اللہ عزوجل نے ہمیں جس مقدس امانت کا امین بنایا ہے ہر لمحہ اس کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

خیر الامم کی اہم ذمّے داری قرآن کی روشنی میں:

قرآن مجید و فرقان حمید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُمتِ خیر الانام کو اپنی اصل منزل اور مقام و مرتبے کا احساس بایں طور دلایا: **وکذلک جعلناکم امۃ وسطا**، اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ باوفا! تم کو تو ہم نے ایک ایسی اُمت بنایا جو افراط و تفریط کے بدنما داغوں سے پاک، راہِ اعتدال پر گامزن ہے،جس کا مکمل نظامِ حیات اس قدر شاندار ہے کہ جہاں عقل کی قلابازیوں کی کوئی گنجائش ہی نہیں، مداہنت فی الدین کے المناک مناظر کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔

اسی کے ساتھ ربِ کائنات نے اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ اب تمہارے کاندھوں پر یہ ذمّے داری ڈال دی گئی ہے کہ تم میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظامِ حیات کی تنفیذ و ترویج کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دو اور اس کے عین مطابق ہر دَور، ہر عصر میں ایسا معاشرہ وجود میں لاؤ جس میں ایسے نفوسِ قدسیہ آباد ہوں جن کے دلوں میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع فروزاں ہو،جن کے قلوب واذہان میں مخلوقِ خداوندی کے لیے خلوص و ہمدردی اور بالخصوص مؤمنین کی خیر خواہی کے حقیقی جذبات موجزن ہوں۔ جو علم و حکمت سے لبریز روشن دماغ اور روشن ضمیر بھی ہوں۔جن میں مادّی ترقی کم، روحانی ترقی کا جذبۂ بیکراں موجود ہوں، وہ خود سخی و کریم اور خوددار و بے نیاز ہوں۔داعیانہ زندگی میں یہی وہ عظیم جوہر ہے جس کے ذریعے ہم پوری دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر سکتے ہیں،فکری و اخلاقی بے راہ روی کی تیز و تند آندھیوں کا رخ موڑ سکتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں رُکاوٹیں:

دعوت و تبلیغ کے غیر مؤثر ہونے کے اسباب و وجوہات میں سے ایک عظیم سبب ہے اپنوں کی کوتاہی و غفلت۔ بظاہر دیکھنے میں ہماری دینی تنظیمیں کارِ تبلیغ میں سرگرم ہیں۔مگر حقیقت میں ہماری

سرگرمیوں میں وہ جان، وہ روح نہیں، جو دلوں کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ اکثر مبلغین میں اخلاصِ عمل نہیں، کردار میں وہ پختگی نہیں اور سب سے بڑھ کر دینی معلومات میں از حد کمی، تو بتائیے مبلغین کام یاب کیسے ہوں گے؟ اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ سب سے بڑی کمی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں ذہنی وفکری تعمیر سے متعلق کوئی کام نہیں ہوتا۔ انسان کے صرف لباس اور ظاہر کی تبدیلی کو دیکھ کر ہم خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ جب کہ فکر و ذہن کی پختگی نہایت ہی ضروری ہے۔ اسی کمی کے باعث حالات کی گردش کا شکار ہونے پر کارکنانِ تبلیغ اپنے لباس اور معمولات بھی بدل دیتے ہیں۔ جب ایک مبلغ نامساعد حالات کے تحت دین سے دور ہو سکتا ہے تو پھر عام افراد کی بات ہی کیا؟ اس کے برعکس آپ غیروں کی طرف دیکھیں کہ وہ کس طرح کام یاب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک بار کوئی چلّے میں جاتا ہے، تو برسوں کا ایمان وعقیدہ بدل کر آتا ہے اور پھر ساری زندگی اپنے گمراہ کن عقائد کی ترویج واشاعت میں لگ جاتا ہے۔ اگر وہ بعد میں تنظیم سے علیحدہ بھی ہو جائے مگر اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ جو جس سطح کا فرد ہوتا ہے، وہ اس سطح پر کام کرتا رہتا ہے اور مسلسل کوشاں رہتا ہے کہ لوگوں کو اپنی شیطانی دعوت کے ذریعے پھانس کر لے جاؤں اور اپنی تعداد بڑھاؤں۔ تو ضرورت ہے کہ ہم مبلغین کی عملی تربیت کے ساتھ فکری تربیت پر زیادہ زور دیں۔ مفکرین علما و اسکالرز کے بیانات سے اُن کی ذہن سازی کریں اور ہر حال میں تبلیغ دین میں کوشاں رہنے کا جذبہ بیدار کریں۔ ہمارے درمیان دعوت وتبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ بد مذہب فرقے اور جماعتیں ہیں۔ جس بنا پر ہمارا کام دُگنا بڑھ جاتا ہے۔ ایک تو امر بالمعروف کرنا اور دوسرے نہی عن المنکر، یعنی ہمیں اپنے دین کی تبلیغ واشاعت بھی کرنی ہے اور باطل فرقوں سے بچانا بھی ہے۔

دعوت کا صحیح طریقۂ کار اور اوصافِ داعی:

موجودہ پُرفتن دور میں روئے زمین پر دینی دعوت کا کام انجام دینے والی واحد جماعت اہلِ سُنّت و جماعت ہی ہے، جس کے عقیدے قرآن و حدیث کی روشنی میں بالکل صحیح و ثابت ہیں، جس کا اسلوبِ دعوت معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے قلبِ انسانی کی اصلاح ہے، جس کے اندر ایسے نفوسِ قدسیہ جلوہ افروز ہیں جنہوں نے اپنے نفسِ امّارہ کو نفسِ

مطمئنّہ بنا دیا۔ ہوا و ہوس کے غبار سے آئینۂ دل کو صاف وشفاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بنالیا۔ انانیت وغرور، تمرد وسرکشی کا دور دور تک کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا، جو روشن دماغ اور روشن ضمیر بھی تھے۔ یہی وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حاملین ہیں جنہوں نے خداداد جاذبیت وکشش سے بے شمار بندگانِ خدا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، قرآنِ مقدس کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہوکر دنیا کے کونے کونے میں آفتابِ اسلام کی حقیقی وروحانی کرنوں سے علوم وفنون کے دریا بہادیے۔ اسی جماعت میں صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، شہدائے کرام، اولیا وصالحین، اغواث، اقطاب، ابدال ہیں، جن کی نمائندگی ہر دور میں آنے والے مجدّدِ دین کرتے رہے، یہی وہ حضرات ہیں جن کا طریقۂ دعوت مسحور کن اور انتہائی مؤثر تھا۔ آج ہمیں انہیں ذواتِ قدسیہ کے نقوشِ پا کا اتباع کرتے ہوئے دعوت کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

بعض داعیوں کی غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ہر داعی کو فکر وتدبر کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر قرآن مقدس کے اسرار ورموز تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مگر اس مقام پر کچھ لوگ اپنی عقل کی قلابازیوں کا دخل دے کر گمراہیت کی راہ اختیار کرلیتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے ابن تیمیہ جیسے ماہر علوم وفنون نے قرآنِ مقدس کی آیاتِ متشابہات میں کلام کرتے ہوئے ایک عظیم اجماعی عقیدۂ اسلامیہ کی مخالفت کی۔ آیۂ کریمہ **"ثم استویٰ علی العرش"** کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رب سبحانہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آج اسی کا اتباع کرتے ہوئے تمام غیر مقلدین اسی گمراہ عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ قرآن فہمی کے لیے صرف اپنی فہم وذکا اور علم ودانش پر بھروسہ نہ کریں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق وتائید پر کامل اعتماد کرتے ہوئے قدم قدم پر اس کی رہنمائی ودستگیری کے لیے بصد عجز ونیاز التجا کرتے رہیں۔ کیوں کہ خواہشاتِ نفسانیہ اور نفس کی پیدا کردہ مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے دل ودماغ پر قابض نظریات واعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہوجاتی ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ ان تمام رکاوٹوں کو دور کرتا صراطِ مستقیم پر گامزن ہو۔ داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت کے

ساتھ آپ کی سیرتِ طیبہ کے تمام پہلوؤں پر عمل پیرا رہے۔ اپنے ذاتی مفاد کا شائبہ بھی ذہن میں نہ آنے پائے اور دعوت کی راہ میں انتہائی مخلص ہو۔

داعیانِ حق کے درمیان موجودہ کشمکش اور اس کا سدّ باب:

سوا چودہ سو سال سے جو جماعت ایک منظّم تحریک کی شکل میں امامتِ عالم کے منصبِ عظیم پر فائز تھی، جو عالمی انقلاب کی علم بردار تھی، جس نے ہمارے صنم کدۂ تصورات کے لات وہبل کو ریزہ ریزہ کر دیا، جس نے ہمارے مردہ دلوں میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پھونکی تھی، آج وہ بے شمار و بے بنیاد مسائل میں اُلجھ کر رہ گئی ہے، جس بنیاد پر ہماری دعوتی تاثیر مفقود ہوگئی۔ اس موقع کو غنیمت جان کر باطل جماعتیں اور مغربی طاقتیں اپنے فاسد اعتقادات اور ملحدانہ تہذیب کے ساتھ غالب آتی جارہی ہیں۔ اگر انفرادی حیثیت سے جماعت پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ایک سے بڑھ کر ایک لعل و گہر اپنے تقویٰ وطہارت، علم وفن، تبلیغی جدوجہد میں نمایاں نظر آتا ہے، مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اور داعیانہ زندگی میں کامیاب اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کے تمام افرادحق کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں۔ ان کا ہر ہر قدم رضائے الٰہی ورضائے رسول میں اُٹھے، آپس میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد و منظّم ہوں اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ اس قدر موجزن ہو کہ ان کا ایک فرد بھی اگر جادۂ حق سے برگشتہ ہوجائے تو دوسرے تمام افراد مل کر انتہائی نرم خوئی اور کمال شفقت کے ساتھ اس کی اصلاح اور اس کو اپنا بنانے کی کوشش کریں۔ یہ نہیں کہ اس کی تذلیل وتنقیص کی راہ اختیار کریں، اگر یہ صورت اختیار کی گئی تو پھر جماعت میں انتشار در انتشار کے سبب اصل دینی دعوت کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔

تاریخ کا وہ منظر بھی اپنے سامنے رکھیں کہ ہم حقیقی دعوت کو پیش کرتے ہوئے تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے امام اور قائد بنے رہے اور ہم اپنی دعوت میں اتنے مخلص تھے کہ فکر و تدبر کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختصر سے عرصے میں اسپین کے مرغزاروں سے لے کر چین کے ساحل تک علمِ اسلام کو بلند کیا تھا۔ پھر زمانے نے ایسی کروٹ بدلی کہ آج ہم کثرتِ تعداد کے باوجود، اسباب ووسائل کی فراوانی کے باوجود امامتِ عالم کے منصبِ عظیم سے دست بردار ہوگئے ہیں۔

اہلِ سُنّت کے لیے لمحۂ فکریہ:

اس وقت ہمارے لیے ایک عظیم لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ سوچیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ آج ہمارا مقابلہ تمام باطل تحریکوں اور تنظیموں سے ہے۔ ہم دنیا کی امامت اور ساری دنیا میں ایک عظیم روحانی انقلاب لانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنا بڑا چیلنج ہمارے سامنے درپیش ہے۔

مَیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ مستقبل آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے لیکن مستقبل کی حیثیت 'من وسلویٰ' کی نہیں ہے کہ وہ خود بخود آپ کی گود میں آ کر گرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی فرد، کسی قوم اور کسی تہذیب کے لیے کوئی ایسا نوشتۂ تقدیر نہیں کیا ہے کہ جو اس کو خود بخود حاصل ہو جائے، مستقبل اسی کا ہے جو اس کے لیے جد و جہد کرے۔ اس کے لیے تساہلی سے اجتناب کرتے ہوئے خود محنت اور بھرپور کوشش کرے۔ رب تبارک وتعالیٰ کا یہی فرمان بھی ہے: ''فان لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیه سوف یری. اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی ہے اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ گویا انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ جد و جہد کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے گردشِ لیل ونہار، حال کے لمحات کو ماضی اور مستقبل کو حال بناتی چلے جائے گی، اس جد و جہد کے نتائج وثمرات سامنے آتے چلے جائیں گے۔ مگر یاد رکھیں سوائے اپنے کیے اور کمائی کے کوئی چیز سامنے نہیں آئے گی۔ خوابِ غفلت سے اب تو بیدار ہو جائیں اور اپنی آنے والی نسلوں کے روشن مستقبل کے لیے اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کی فکر اور اس کے لیے بھرپور کوشش کریں۔

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء دعوت نمبر کا اداریہ)

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

صدیوں سے جملہ اہل ایمان کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ کے پیارے محبوب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہہ مجسم نور ہیں اور ایسے نور کہ آپ ہی کے نور سے کائنات منور ہوئی۔ یہ مشہور و معروف عقیدہ کسی کا گڑھا ہوا یا بے بنیاد نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت شدہ ہے۔ قرآن مقدس میں خداوند قدوس کا فرمان عالی شان ہے: **قد جائکم من اللہ نور و کتب مبین** ۔ تحقیق آیا تمہارے یہاں اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (پارہ ٦، آیت نمبر: ١٥، سورۂ مائدہ)

مذکورہ آیۂ کریمہ میں "نــــور" سے جمہور مفسرین کرام نے حضور اکرم نور مجسم صلی علیہ وسلم کی ذات مبارکہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں: "**قـد جـاء کـم مـن الـلـہ نور عظیم و ھو نور الانوار الـنبی المختار صلی اللہ علیہ و سلم**" ۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کے طرف سے نور عظیم آیا وہ تمام نوروں کے نور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ محمد ابن جریر طبری رحمۃ الہ تعالیٰ علیہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: "**قـد جـاء کم من الـلـہ نور یعنی بالنور محمد صلی اللہ علیہ و سلم**" نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے حق کو روشن کیا، اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔

(جامع البیان ج٦ ص: ٦٢٠)

قتادہ نے کہا کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار مذہب ہے۔ اس نے کہا کہ نور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دیگر کتب تفاسیر مثلاً الجامع لاحکام القرآن ج: ٣ ص: ٨٧، فتح القدیر ج: ٢ ص: ٢٣، الدر المنثور ج: ٢ ص: ٢٦٨، نظم الدرر ج: ٦ ص: ٦٣، زاد المسیر ج: ٢ ص: ٣١٦،

میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔شارح مشکوٰۃ شریف حضرت علامہ ملاعلی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا کیوں کہ آپ ہی سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔(خزائن العرفان ص:۱۶۷)

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیۂ کریمہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔البتہ نور حسی یا نور معنوی میں اختلاف ہے۔نور حسی یعنی جیسے چانداور سورج کا نور۔جمہور علماومفسرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور حسّی ہونے پر متفق ہیں، بالخصوص صاحب تفسیر روح المعانی حضرت علامہ آلوسی علیہ الرحمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور حسّی ہونے کا قول کرتے ہیں۔

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج لکھتے ہیں: امام ابوعبدالرحمٰن صقلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الدلالات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے: اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے، پھر صدیقین کا پھر اولیائے کرام کا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے محمد صلی اللہ علیہ و سلم کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش اعظم کے ستون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتا رہا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیائے کرام علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔

علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں کہ فقیہ خطیب ابوالربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھیں ہیں۔ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔جبرئیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلی کے فرشتے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے اس کو جنت کی نورانی نہروں کے پانی گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہوگئی۔اس مٹی کا نور تھا اور شعاع عظیم تھی حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں،

اور سمندروں کے گرد طواف کیا۔فرشتوں اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی ۔حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب یہ آواز کیسی ہے؟ رب نے فرمایا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تسبیح ہے، وہ خاتم الانبیا ہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا۔تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میں تیرے عہد و میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور چمکتا تھا جس کی وجہ سے فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی زیارت کرتے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

اور وہ حدیث پاک جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور ہیں۔جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اول ما خلق الله نوری ''سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔اس حدیث کے متعلق خاتم المحدثین محقق علی الاطلاق حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں فرمایا:''صحیح حدیث میں ہے یعنی اس پاک کی صحت آپ کے نزدیک معتبر ہے۔اور اس سلسلہ میں بکثرت روایات موجود ہیں۔اسی حدیث کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے، پہلے حصے سے عرش کو پیدا کیا، دوسرے حصے سے قلم کو پیدا کیا،اور تیسرے حصے سے لوح کو پیدا کیا۔پھر قلم سے فرمایا چل لکھ اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا میں قیامت جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں اس کو لکھ دے پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکھ دیا۔پھر چوتھا حصہ اس کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔پہلے حصے سے عقل کو پیدا فرمایا، دوسرے حصے سے معرفت کو پیدا فرمایا،اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور

تیسرے حصے سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصے کو اللہ تعالیٰ نے عرش اعظم کے گرد رکھا۔ حتیٰ کے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ لہٰذا عرش کا نور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور لوح کا نور سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور دن کا نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اسی طرح عقل کا نور معرفت کا نور، سورج اور چاند کا نور اور آنکھوں کا نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور سے ہے۔'' (تبیان القرآن ج:۴ص:۱۳۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجسم نور ہونا جمہور علما و محدثین وفقہا کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ انہیں کی ترجمانی فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہ بارگاہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں عرض کرتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مگر آج چند نام نہاد حدیث پر عمل کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور کفار و یہود کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی طرح بشر کہنے پر زور دے رہے ہیں۔ اور جگہ جگہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ قوم میں انتشار پیدا کرنے کی سعئ لا حاصل کر رہے ہیں۔ ان کا ہمیشہ یہی مشن رہا ہے کہ مقام مصطفیٰ اور عظمت مصطفیٰ ظاہر نہ ہو اور ان کی تعظیم و تکریم نہ ہو اور بالکل یہی مشن عہد رسالت سے لے کر آج تک یہودیوں کا بھی ہے۔ اگر یہ دل میں حب مصطفیٰ جاگزیں کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورنیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو بات سمجھ میں آجاتی مگر بغض و عناد رکاوٹ بن چکا ہے انہیں جو دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہلوا دیا کہ آپ کہیے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ اسی سے عام بشر ہونے کا اعتقاد انہوں نے دل میں بٹھالیا۔ اگر محبت کی نگاہ سے گہرائی میں اتر کر دیکھیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً بشر ہیں مگر ہماری طرح نہیں بلکہ وہ نوری بشر ہیں۔ ہماری اور ان کی بشریت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجسم نور ہونا بشریت کے منافی نہیں۔ کیوں کہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ملکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور دوسری حیثیت بشری ہے جس سے آپ فیض دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عام بشریت کا تصور کرنے والے وہ احادیث کیوں نہیں پڑھتے جن سے آپ کے نور اور اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ''من رآنی فقد رأی الحق ''جس نے مجھے دیکھا اس نے گویا خدا کو دیکھا۔ کیا عام بشر کا یہی مقام ہوتا ہے کہ جسے دیکھنا خدا کو دیکھنا ہو جائے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ''لی مع اللہ وقت لا یسع فیه نبی و لا ملک مقرب ''میرا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک خاص وقت ہوتا ہے جہاں نہ کسی نبی اور نہ کسی مقرب فرشتے کی رسائی ہے۔ وہ نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی آمد سے کائنات میں ہر طرف نور ہی نور پھیلا۔ صحابیِ رسول حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام در و دیوار کو نورانی کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ تمام گھرانہ پر نور ہو گیا۔ نیز احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھ لیا۔ (مدارج النبوۃ)

اس روایت کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے اور غیر مقلدین کے امام و پیشوا جناب وحید الزماں کیرانوی اپنی کتاب ہدیۃ المہدی جس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے ''مشتمل بر عقائد اہلحدیث'' میں، لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خلق خدا کی ابتدا نور محمدی سے کی، پھر عرش کو پیدا کیا، پھر پانی کو، پھر ہوا کو، پھر دوات، پھر قلم اور لوح کو پیدا کیا پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادۂ اولیٰ نور محمدی ہے۔'' (ہدیۃ المہدی ص:۵٦، مطبوعہ سیالکوٹ)

لہٰذا جمہور امت مسلمہ کے عقیدہ سے انحراف بہت بڑی گمراہی ہے کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجسم نور ہونے کا انکار قرآن وحدیث کے خلاف اور گڑھا ہوا عقیدہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد'' جس نے ہمارے دین میں ایسا عقیدہ ایجاد کیا جو ہمارے دینی عقیدہ سے متعلق نہیں تو اس کو رد کیا جائے گا۔ اس حدیث میں ''ما لیس منہ'' کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی نیا عقیدہ جو جمہور امت مسلمہ سے انحراف کر کے بنایا گیا ہو وہ بدعت سیئہ اور گمراہی کا سبب ہے اس لیے اسے مردود قرار دیا جائے گا۔

کتب احادیث اور اقوال سلف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ سواد اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مجسم پر متفق ہے۔ اسی کی نمائندگی چودھویں صدی ہجری میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا مجدد اعظم قدس سرہ نے کی۔ اسی سلسلے میں علمی جلالت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ نے بے شمار دلائل و براہین کا انبار لگا دیا، جس کا بین ثبوت آپ کی کتابیں اور آپ کی وہ تحریریں ہیں جو فتاویٰ رضویہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دعوت فکر: ہم انہیں دعوت فکر دینا چاہیں گے جو سواد اعظم اور جمہور امت مسلمہ کے عقیدے سے ہٹ کر دین کو فروغ دینا چاہتے ہیں، اس سے دین کا فروغ نہیں بلکہ دین کا زوال ہوگا، کیوں کی دین کا فروغ حضور کو عام بشر ہونے کا عقیدہ دے کر اور شان رسالت کو گھٹانے سے نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے خدا کے بعد جو کچھ بھی بلند و بالا مقام و مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے اسے اقوام عالم کے سامنے پیش کرنے سے ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور مجسم ماننا یہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے مقام مصطفیٰ کی عظمت کو ماننا ہے۔ جس کی طرف رب نے خود رہنمائی فرمائی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور مجسم نہ ماننا، اللہ تعالیٰ کی عطا و فضل کا انکار، قرآن کی آیت کی تحریف اور جمہور امت مسلمہ کے عقیدے و نظریے سے انحراف لازم آتا ہے جو کہ خالص ہوائے نفس اور اتباع شیطان ہے۔ جس سے پرہیز نجات اخروی کا باعث ہے۔ اسی لیے رب کائنات جل وعلا نے ارشاد فرمایا: ''لا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین'' شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ہوائے نفس اور اتباع شیطان سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ دامن مصطفیٰ کو مضبوطی سے تھامیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان باوفا جملہ صحابہ کرام و تابعین کرام و اولیائے عظام علیہم الرضوان کے عقیدے پر قائم ہو جائیں جسے سواد اعظم کہا جاتا ہے۔ (اپریل تا جون ۲۰۰۹ء)

اولیاءاللہ کا مقام ومرتبہ

اللہ عزوجل کے بندوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو انبیا ومرسلین میں سے تو نہیں مگر رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ان کی محبوبیت ومقبولیت کا عالم یہ ہے کہ ان کے متعلق پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یعنی بظاہر کان اور زبان ہاتھ اور پیر بندے کے ہوتے ہیں مگر ان مقدس اعضا سے قدرت الٰہی کے محیر العقول جلوے نظر آتے ہیں۔ انہیں بندگان خدا کو ہم اولیائے کرام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ولی کی شناخت: ایک روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا کر رکھا ہے۔ (۱) اپنی رضا کو نیکیوں میں (۲) اپنی ناراضی کو گناہوں میں (۳) اپنے اولیا کو اپنے بندوں میں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کی پہچان انتہائی مشکل ہے۔ مگر آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ میں چند ایسی علامات بتادی گئی ہیں جن سے صحیح ولی کی شناخت ہوجاتی ہے۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لاھم یحزنون. الذین آمنوا و کانوا یتقون** ۔ سن لو بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ مذکورہ آیۂ کریمہ میں صراحۃً اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتائی گئی کہ وہ سچے پکے مومن اور متقی و پرہیزگار ہوتے ہیں۔ خوف الٰہی سے ان کے قلوب اس قدر لبریز ہوتے ہیں کہ پھر کسی کا خوف ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی چیز کا غم ہوتا ہے۔ عمومی طور پر انسان کو کئی قسم کے خوف ہوتے ہیں بالخصوص مال یا جان کے ضائع ہوجانے کا خوف۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جان یا مال کی حفاظت کی فکر میں ہمیشہ لگا رہتا ہے پھر بھی کسی طریقے سے کچھ مال ضائع ہوجاتا ہے تو اس کا

غم اس کو لاحق ہو جاتا ہے مگر اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ نہ ہی انہیں مال سے محبت ہوتی ہے نہ ہی جان سے بلکہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول جل جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے۔" **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین**" بے شک میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے" اس آیت کریمہ کی وہ مکمل تفسیر ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ جان و مال کے ضائع ہونے کے خوف سے بے نیاز ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی حفاظت رب قدیر اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔ اولیاء کرام کی ایک بڑی پہچان یہ بھی ہے کہ جب زمانہ کروٹیں بدلتا ہے، الحاد و بے دینی کی تیز و تند آندھیاں پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے کر فضا کو مکدر کر دیتی ہیں۔ جس کی بنیاد پر معاشرہ میں بسنے والے تمام انسان نیکیوں سے پہلو تہی کر کے برائیوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، ان کے اندر سے احساسِ گناہ مردہ ہو جاتا ہے۔ ایسے تاریک و خطرناک ماحول میں بھی اولیائے کرام تقویٰ و پرہیز گاری اور احکام شریعت کی پابندی میں جبل استقامت بن کر ڈٹے رہتے ہیں، وہ ماحول سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ ماحول کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی سعیٔ جمیل کرتے ہیں۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہی وہ اولیائے کرام ہیں جن کے قدموں کی برکت سے برائیاں مٹ جاتی ہیں، یہی وہ مقدس جماعت ہے جس نے معاشرہ کے اندر موجود لاکھوں انسانوں کے دلوں میں جذبۂ خیر خواہی اور دینی حمیت کی روح پھونک دی۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں اسلام کی رونق اور دینی حمیت و بیداری کے جلوے نظر آ رہے ہیں اور دینی اجالوں کی برسات ہو رہی ہے۔

اولیائے کرام احادیث مبارکہ کی روشنی میں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔ اسی طرح طبری میں بھی ہے اور احادیث کریمہ میں یہ مذکور ہے کہ اللہ کے ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لیے محبت کریں، ان کی زندگی کا ہر عمل اللہ عزوجل کی رضا کے لیے ہو۔

متکلمین کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو اور اعمال صالحہ شریعت مطہرہ کے مطابق بجا لاتا ہو۔ عرفا فرماتے ہیں کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا اور جسے یہ شرف حاصل ہو جائے وہ دنیا و مافیہا سے بیزار اور بے نیاز ہو جاتا ہے پھر اسے کسی

چیز کا خوف رہتا ہے نہ ہی کسی شی کے فوت ہونے کا غم۔

اولیائے کرام کے متعلق جن صفات کا ابھی ذکر ہوا ان سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے شریعت مطہرہ کے پابند اور اخلاص ووفا کے پیکر ہوتے ہیں۔ایسا نہیں کہ ظاہر میں لوگوں کو دکھاوے کے لیے شرافت کا لبادہ اوڑھ لیا ہو اور خلوت میں کالے کرتوت میں مبتلا ہو جیسا کہ آج کے ڈھونگی باباؤں کا معاملہ ہے ان کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں ولی تصور کرلیا جاتا ہے پھر جیسے ہی پردہ اٹھتا ہے پتہ چلتا ہے کہ یہ تو شیطانوں کے بھی گروگھنٹال ہیں۔ایسے ہی چند بد بخت نا ہنجار ہیں جو کھلم کھلا نماز ترک کرتے ہیں، منشیات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ان سے جب نماز اور شریعت کے احکام کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ شریعت الگ ہے، طریقت الگ ہے، ہم طریقت والے ہیں ہم ظاہر میں نماز نہیں پڑھتے بلکہ خانۂ کعبہ میں پڑھتے ہیں۔انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شریعت اور طریقت الگ نہیں ہیں بلکہ شریعت سمندر ہے اور طریقت اسی سے نکلی ہوئی نہر ہے۔ جتنے بھی اولیائے کرام ہیں ان کی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ وہ شریعت وطریقت کے سنگم ہوتے ہیں۔ذرا دیکھو تو سہی، طریقت کے امام، اولیا کے سردار سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے کبھی نماز قضا نہیں فرمائی بلکہ تاریخ میں تو یہ ہے کہ چالیس سال تک آپ نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔کیا آپ نے کبھی دل کی نماز کا قول فرمایا ہے۔اولیائے کرام کی شان یہ ہے کہ پہلے وہ شریعت پر عامل ہوتے ہیں پھر ان کے لیے معرفت وحقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔جیسا کہ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ وہ نوافل کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں تو پھر فرائض وواجبات کو کیسے ترک کرسکتے ہیں؟

اولیائے کرام سے محبت کیوں؟ انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ اس پر اس نے کوئی احسان کیا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے۔مگر یہ محبت عارضی ہوتی ہے لیکن جب احسان بھول جاتا ہے تو محبت بھی ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک بیٹا اپنے باپ سے بے پناہ محبت کرتا اور باپ اپنے بیٹے سے۔مگر تجربات شاہد ہیں کہ یہ محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔بسا اوقات ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں مگر اولیائے کرام سے محبت وعقیدت صدیوں سے چلی آرہی ہے جو ختم نہیں ہوتی بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محبت من جانب اللہ لوگوں

کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے۔جس کی وجہ سے سارے انسان بلاامتیاز مذہب ان اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرتے ہیں ۔اس بات کی شہادت قرآن حکیم پیش فرمارہاہے۔ارشادربانی ہے:''ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا'' بےشک وہ جوایمان لائے اورنیک عمل کیے رحمٰن ان کے لیےمحبت پیدافرمادیتاہےاورایک مقام پرارشادہوا:''لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ'' ان کے لیےدنیا کی زندگی میں اورآخرت میں بشارت وخوشخبری ہے۔

بعض مفسرین کرام نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہےاورفرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الٰہی اوراللہ تعالیٰ کےمحبت فرمانےاورمخلوق کےدلوں میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیاہے کہ جس بندے سے اللہ عزوجل محبت فرماتا ہے اس کو روئے زمین پرمقبول کردیا جاتاہے۔یہ پوری حدیث پاک مشکوٰۃ شریف ص:۴۲۵ پر بروایت مسلم شریف موجود ہے۔

آیات کریمہ واحادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولیائے کرام سے اللہ عزوجل محبت فرماتاہےاورجس سے وہ محبت فرماتاہےان کی محبت کواپنےتمام بندوں کےدلوں میں ڈال دیتاہے لہٰذااولیائے کرام سےمحبت کرناان کی عقیدت واحترام دل میں رکھنا یہ رضائے الٰہی کاباعث ہے۔ اس کے برخلاف جوان سے بغض وعداوت رکھتاہےوہ دنیاوآخرت میں خائب وخاسر ہے۔کیوں کہ اولیاء اللہ خداوندقدوس کےمحبوب ہیں۔اس لیےان کی محبت خدا کی محبت اوران سے بغض خدا سے بغض وعناد کی علامت ہے۔حدیث قدسی ہے،یعنی بزبان مصطفیٰ اعلان خداہے:''من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته للحرب''،یعنی جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں نےاس سےاعلان جنگ کیا۔(بخاری شریف)

اب وہ لوگ اپنےانجام کی خبرلیں جودن رات اولیائے کرام کی شان میں توہین وگستاخی کے الفاظ کہتےنہیں تھکتے ان کی دنیا بھی بربادا ورآخرت بھی برباد۔نہ خداہی ملانہ وصال صنم۔حالانکہ اولیاء اللہ کی مقدس جماعت ہم گنہگاروں کے لیے دنیاوآخرت میں وسیلہ ہے۔بےشمارنعمتیں ان کےوسیلے سےملتی ہیں اوربےشماربلائیں،مصائب وآلام ان کےوسیلے سےدورہوتے ہیں۔

حیات اولیا: ساتھ ہی ساتھ یہ ذہن نشین کرتے چلیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اولیاء اللہ کی محبت وعقیدت اوران کا احترام جس طرح ظاہری حیات میں ہوتا ہے اسی طرح بعد وفات بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ وصال کے بعدان کا مرتبۂ ولایت ان سے سلب نہیں کرلیا جاتا ہے بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ وعدۂ الٰہی کے مطابق ایک آن کے لیے ان پر موت طاری ہوتی ہے پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوجاتے ہیں۔ بعد وصال ان کے تصرفات کی قوت میں رب تبارک وتعالیٰ بے پناہ اضافہ فرمادیتا ہے۔ اس بات کا ثبوت تکمیل الایمان میں موجود ہے۔ حضرت محقق علی الاطلاق علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ متوفی ۱۰۵۳ھ اپنی مشہور زمانہ کتاب تکمیل الایمان میں رقم طراز ہیں: ''ولایت کے معنیٰ فنافی اللہ اور بقاباللہ کے ہیں۔ یہ نسبت موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہوجاتی ہے۔'' (ترجمہ تکمیل الایمان ص: ۱۷۵)

اولیاء اللہ عشق الٰہی میں سرشار ہوکر اپنی پوری زندگی رضائے مولیٰ میں گزاردیتے ہیں۔ ان پر رب تبارک وتعالیٰ کا یہ خصوصی کرم ہوتا ہے کہ انہیں حیات جاودانی مل جاتی ہے، وہ اپنے مزارات میں زندہ ہوتے ہیں اور باذن الٰہی بے شمار تصرفات پر قادر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں سیکڑوں مستند واقعات وحکایات موجود ہیں جن سے ان کی حیات وتصرفات کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر عرش الٰہی اٹھائے جارہا ہے۔ فوراً نیند سے بیدار ہوا تو اپنے خواب کی تعبیر پوچھنا شروع کیا۔ مگر کوئی بتا نہیں سکا البتہ ایک شخص نے اس سے کہا کہ اس دور کے بہت بڑے ولی کامل حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھو وہ تمہیں صحیح بتائیں گے۔ اب یہ فوراً اسی ارادے سے بغداد شریف روانہ ہوا۔ مگر جیسے ہی بغداد شریف میں قدم رکھا ہے کیا دیکھتا ہے کہ لوگوں کا جم غفیر اور ازدحام کثیر ہے۔ اب اس نے کسی سے پوچھا کیا بات ہے؟ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ تو اس نے بتایا کیا تمہیں معلوم نہیں؟ اللہ عزوجل کے ایک عظیم ولی کامل حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آج وصال ہوگیا ہے۔ یہ ان کا جنازہ جارہا ہے جس کو کاندھا دینے کے لیے یہ جم غفیر ٹوٹ پڑا ہے۔ یہ جانکاہ خبر سنتے ہی اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اب کیا ہوگا جس سے خواب کی تعبیر پوچھنے آیا تھا وہ تو دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اب کس سے پوچھوں۔ پھر فوراً دل میں خیال آیا۔ تمہارا نصیبہ جاگ اٹھا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم ان کے مبارک

جنازہ کو کاندھا دینے کا شرف تو حاصل ہو جائے گا۔اب ازدحام کو چیرتا ہوا بڑی تکلیف کے ساتھ کسی طریقے سے جنازے کے قریب ہوا مگر بھیڑ اتنی کہ کاندھا دینا میسر نہ ہوسکا۔اسی اثنا میں کسی طریقے سے جنازہ کے نیچے آ گیا جیسے ہی جنازہ مبارکہ کے نیچے آیا ہے۔آواز آتی ہے تم خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے تھے۔تمہارے خواب کی تعبیر یہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ولی کا جنازہ تمہارے سر پر ہے۔گویا تم عرش الٰہی کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہو۔کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے: **قلب المؤمن عرش الله**" مومن(ولی اللہ) کا دل عرش الٰہی ہوتا ہے۔اس واقعہ کی روشنی میں اللہ کے ولیوں کی حیات کے منکرین باطل عقائد ونظریات رکھنے والے وہابیہ دیابنہ سے میں سوال کرنا چاہوں گا کہ آخر جنازہ سے آواز دینے والا کون ہے؟ یہ خواب کی تعبیر بتانے والا کون ہے؟۔یقیناً اس واقعہ سے اس بات کا بین ثبوت ملتا ہے کہ اللہ کے ولی بعد وصال بھی زندہ ہیں۔

امام مجتہد حضرت علامہ امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ائمۂ اربعہ میں سے ایک ہیں،جن کے محدث و مجتہد ہونے پر جملہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے جو کہ خود بھی ولایت کے منصب پر فائز ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا جو حل نہ ہو رہا ہوتا تو اس کے لیے میں کوفہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوتا۔دوگانہ نفل نماز پڑھتا پھر مراقبہ میں ان کی طرف متوجہ ہوتا تو میرا مشکل مسئلہ حل ہو جاتا۔حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ کے مقدس ولی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ان کی قبروں پر حاضر ہونا جائز و مستحسن اور ان کے وسیلے سے دعا کرنا یہ بھی جائز اور آپ کے فرمان سے یہ بھی عقیدہ ملا کہ ان کے وسیلے سے جو دعا کی جاتی ہے وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہو جاتی ہے۔ان کے آستانہ سے بے شمار فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ بے شمار اولیائے کرام اپنے ماقبل کے اولیائے کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے ہیں۔جیسا کہ مشہور ہے کہ سلطان الہند عطائے رسول حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت سیدنا داتا گنج بخش ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔چالیس دن تک چلہ فرمایا پھر واپس ہوئے۔واپسی کے وقت ان کی شان میں ایک شعر لکھا جو آج بھی داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ پر کندہ کیا ہوا موجود ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

لہٰذا اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینا شرک یا حرام نہیں ہے۔ بلکہ باعث حصول برکت ہے۔ شرعاً جائز ومباح ہے۔ اگر یہ شرک ہوتا تو کیا امام شافعی جیسے جلیل القدر محدث ومجتہد اور امام وقت قبر امام اعظم پر حاضر ہوتے۔ اور ہندوستان کی سرزمین پر نوّے لاکھ انسانوں کو اسلام کی دولت عطا کرنے والے، کفر وشرک کو مٹا کر اسلام کی روشنی پھیلانے والے، سیدنا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا وہ کام کرتے جو شرک ہے۔ اب یہ وہابی جو ہمیں قبر پجوا کہتے ہیں وہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کیا کہیں گے۔ جب کہ آپ قبر داتا گنج پر حاضر ہوئے۔ پتہ چلا کہ جنہیں اولیاء اللہ سے دشمنی ہے وہ ان کے آستانوں پر جانے سے روکتے ہیں کفر وشرک کا فتویٰ لگاتے ہیں گویا وہ اللہ سے جنگ کر رہے ہیں یقیناً ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ہمیں تو اولیاء اللہ سے محبت ہے اور یہ محبت ذاتی مفاد یا نفس پرستی یا دنیا طلبی کے لیے نہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ اسی لیے ہم ان کی بارگاہوں میں خلوص ونیک نیتی کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ بے شمار نعمتوں سے ہم مالا مال بھی ہوتے ہیں۔ لاکھوں مسلمان گواہی دینے کے لیے تیار ہیں کہ کتنے ایسے ہیں جو اولاد سے محروم تھے، علاج ودعا کرا کرا کر تھک گئے مگر خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک آستانہ کی برکت سے اولاد سے نوازے گئے، جو محروم تھے، جو بے روزگار تھے، روزگار سے لگ گئے۔ جن کے پاس کچھ نہیں تھا، آج وہ ان کی عطا سے کروڑ پتی ارب پتی بن گئے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جنہیں ہدایت ملی ہے۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں۔ آج بھی جو ہندوستان کا وزیر اعظم بنتا ہے وہ ان کی مزار پر حاضر ہو کر چادر پیش کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ اگر ہمیں حکومت یا کرسی ملی ہے تو ان ہی کے وسیلے سے، اسی لیے ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء)

تقلید کا انکار سواد اعظم سے انحراف

اسلام ایک جامع دستور حیات ہے، ہر عصر کے لیے ہے، صبح قیامت تک کے لیے ہے، اسی لیے اس کی حفاظت کا ذمہ رب قدیر جل جلالہ نے اپنے کرم پر لے لیا ہے۔ الحاد و بے دینی کے ہزاروں طوفان آئے، تیز وتند آندھیاں چلیں، بدعقیدگی کے بھیانک زلزلے آئے، مگر اسلام اپنی حقانیت کی بنیاد پر جوں کا توں محفوظ و مامون رہا۔ حفاظت اسلام کا انتظام رب تبارک وتعالیٰ نے بایں طور فرمایا کہ اپنے محبوب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکمل تفسیر قرآن بنا کر مبعوث فرمایا، آپ کی حیات طیبہ قرآن پاک کی مکمل آئینہ دار تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر کان خلقه القران فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمایا۔ پھر آپ کی حیات طیبہ کے عملی نمونہ کی حفاظت کے لیے صحابۂ کرام کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پاک کے ہر گوشے کی حفاظت فرمائی، وہ کیوں نہ حفاظت فرماتے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے، مزید یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی قرآن پاک میں موجود ہے "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" تمہارے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

غیب داں نبی مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس بات کا علم تھا کہ اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا، مختلف قومیں الگ الگ تہذیب وتمدن، رسم و رواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہوں گے، تجارت و زراعت کے مسائل، صنعت وحرفت کے مسائل، شادی بیاہ کے مسائل، دیوانی اور فوج داری قوانین وضوابط کے مسائل اور نت نئے بے شمار مسائل روز بروز سامنے آتے رہیں گے اور عالم اسلام میں نئے نئے فتنے، مختلف افکار ونظریات کے حاملین جنم لیتے رہیں گے جن کی بنیاد پر افراتفری کا ماحول قائم ہوجائے گا، خواہشات نفسانیہ کی

پیروی کرنے والے شریعت کو چھوڑ کر اپنی طبیعت کے موافق قوانین مرتب کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے۔اسی لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند اہم بنیادی اصول وضوابط عطا فرمائے اور اس پر عمل کی تاکید بھی فرمائی۔

(۱) ارشاد فرماتے ہیں: میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔ جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد ا، ص ۸۳، مطبع مصر)

(۲) سواد اعظم (بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔ جو ان سے الگ ہوا وہ علاحدہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن باب السواد الاعظم، ص ۳۰۳)

(۳) جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف جلد اول ص: ۸۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ میری امت اختلاف وانتشار کی شکار ہو یا گمراہی پر اکٹھا ہو۔اسی لیے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج ۶، ص ۳۹۶)

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حفاظت اسلام کی خاطر اختلاف و انتشار سے اجتناب کرتے ہوئے خالص اتباع سنت کا مظاہرہ فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام نے اپنے درمیان تفقہ واجتہاد پر فائز صحابہ کی تقلید کی، پھر تابعین کا دور آیا تو تابعین نے انہی صحابہ کی تقلید کی جو فقیہ و مجتہد تھے، پھر تبع تابعین کا دور آیا تو انہوں نے کبار تابعین جو فقیہ و مجتہد تھے ان کی تقلید کی، پھر اس کے بعد ائمۂ اربعہ کی تقلید کا دور شروع ہوا اور آج تک تسلسل کے ساتھ برقرار ہے۔اس بات کا ثبوت تاریخ کی بیشتر کتابوں میں موجود ہے۔

تقلید ائمہ اور اجماع امت:

تاریخ اسلام شاہد عدل ہے کہ خیر القرون یعنی دور صحابہ ہی سے ایک مجتہد مطلق کی تقلید پر اجماع رہا ہے اور ایک خاص مدت تک ان کی تقلید ہوتی رہی، مشہور محقق ابن قیم جوزی تحریر کرتے ہیں، عربی عبارت کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یمن میں تھے تو ان کی بارگاہ میں تین اشخاص ایک بچے کے سلسلہ میں اختلاف کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور

ہر شخص اسے اپنا بیٹا کہہ رہا تھا، آپ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کا نام نکلا بچہ اسی کے حوالہ کر دیا، البتہ اس سے دیت کا ثلث حصہ لیا اور ان لوگوں کو دے دیا۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ (اعلام الموقعین، ج ا، ص ۱۶۴)

ابن قیم جوزی کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس مسئلہ میں فیصلہ فرمایا اس کے متعلق نہ کوئی آیت قرآنی ہے، نہ کوئی حدیث پاک، بلکہ آپ نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں فرمایا، بلکہ اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔ یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالت میں بعض صحابۂ کرام اپنے اجتہاد سے فیصلے صادر فرماتے تھے اور وہ صحابہ جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ ان کی تقلید کرتے تھے، جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو اجتہاد سے منع فرماتے اور نہ ہی تقلید کو حرام قرار دیتے۔

تقلید کے متعلق پیشوائے غیر مقلدین کی رائے:

احمد بن تیمیہ جمہور علمائے کرام کے نظریہ کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و الذی علیہ جماھیر الامۃ ان الاجتھاد جائز فی الجملۃ. التقلید جائز فی الجملۃ و لا یوجبون علی کل احد و یحرمون التقلید. و لا یوجبون التقلید علی کل احد و یحرمون الاجتھاد و ان الاجتھاد جائز للقادر علی الاجتھاد و التقلید جائز للعاجز عن الاجتھاد.** (مجموعۃ الفتاویٰ، ص:۲۱۲ ج ۱۰)

جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی جائز ہے، وہ نہ تو ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں، بلکہ جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لیے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لیے تقلید جائز ہے اور جواز تقلید پر ہر عصر میں اجماع رہا ہے جیسا کہ علامہ برہان الدین ابراہیم بن علی المالکی اپنی کتاب الدیباج المذہب میں بالتفصیل ذکر فرماتے ہیں کہ تقلید کا رواج تقریباً ہر صدی میں رہا ہے۔ شام اور اندلس میں امام اوزاعی کا مذہب غالب تھا اور دو صدیوں بعد ان کا مذہب ختم ہو گیا اور وہاں امام مالک کا مذہب غالب آ گیا۔ امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے پیروکار زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا، بلکہ جلد ہی ان کا مذہب ختم ہو گیا۔ باقی رہے امام طبری

اور ابو ثور کے مقلد تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا۔ امام ابو ثور کے مقلدین تیسری صدی کے بعد اور امام طبری کے مقلدین چوتھی صدی کے بعد ختم ہو گئے، پھر اس کے بعد بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب ختم ہو گئے تب انہیں چاروں مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذاہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مرادف ٹھہرا۔

چاروں اماموں میں سے ایک امام کی تقلید پر اجماع امت کی شہادت دیتے ہوئے علامہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''**ھذہ المذاھب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة و من یعتد بھا منھا علی جواز التقلید الی یومنا ھٰذا.**'' یعنی تمام امت نے یا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۲۳)

تقلید کا انکار کر کے صرف حدیث پر عمل کا دعویٰ کرنے والے اپنی جہالت کے اندھیرے سے نکل کر بڑے بڑے محدثین کے احوال پڑھیں، یقیناً اکثر محدثین انہیں چاروں اماموں میں سے کسی ایک کے مقلد نظر آتے ہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمہ: حضرت علامہ امام قسطلانی تاج الدین سبکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''**و قد ذکرہ ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة**'' ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱، ص ۳۶)

علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: ''**و سمع بمکة عن الحمیدی و علیه تفقه عن الشافعی**'' یعنی امام بخاری نے مکہ مکرمہ میں حمیدی سے سماع کیا اور انہی سے فقہ شافعی پڑھی۔

امام مسلم علیہ الرحمہ: صحیح مسلم شریف کے مصنف حضرت امام مسلم بھی مقلد تھے، مولوی محمد حنیف گنگوہی نے ذکر کیا ہے کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلد نے انہیں شافعی شمار کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: **الجامع الصحیح للامام المسلم الشافعی.**

(احوال المصنفین، ص ۱۱۸)

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ: صاحب سنن ابو داؤد کے متعلق موصوف لکھتے ہیں تاریخ ابن خلکان

میں مذکور ہے کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے ان کو طبقات الفقہا میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ: آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک امام احمد بن حنبل کے مسلک کی طرف میلان تھا، یعنی آپ بھی حنبلی تھے۔

امام نسائی علیہ الرحمہ: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نزدیک آپ بھی شافعی المذہب تھے، جیسا کہ آپ کے مناسک سے پتہ چلتا ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی: آپ بھی پرانی راہ مسلک شافعی کو خیر باد کہتے ہوئے نئی راہ مسلک حنفی پر گامزن ہوئے۔(مرجع سابق،ص۱۶۲)

صاحب مصابیح: محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود فراء بغوی صاحب مصابیح کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں، آپ اپنے زمانہ کے مشہور محدث ومفسر اور بلند پایہ قرا میں سے ہیں، فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے شاگرد ہیں اور صاحب تعلیقہ اور اجل شوافع میں سے ہیں۔(مرجع سابق،ص۱۷۰)

امام دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی شافعی المذہب تھے۔

امام بیہقی: صاحب سنن بیہقی شریف آپ بھی شافعی المذہب تھے۔

یحیٰی بن سعید قطان: آپ احادیث کریمہ میں جرح وتعدیل کے امام اور زبردست محدث ہیں، مگر آپ بھی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے **و کان یحیی بن سعید القطان یفتی بقول ابی حنیفة** یحیٰی بن سعید قطان بھی امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔(تذکرۃ الحفاظ ص۳۰۷)

یہ وہ مشہور محدثین ہیں جن کی کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے، بالخصوص صحاح ستہ کے تمام مصنفین مقلد ہیں تو تقلید حرام کیسے؟

اسی طرح بے شمار حفاظ حدیث کی سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی حنفی ہیں، کوئی شافعی ہیں، کوئی مالکی، کوئی حنبلی ہیں۔ چند کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابوبشیر دولابی حنفی، حافظ عزیز الدین بن سلام شافعی، حافظ اسحاق بن راہویہ حنفی، حافظ ابن دقیق العید شافعی، حافظ ابوجعفر طحاوی حنفی، حافظ شمس الدین شافعی، حافظ ابن ابی العوام سعدی

حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، حافظ ابو محمد حارثی حنفی، حافظ حسین ابن اسماعیل مالکی، حافظ عبدالباقی حنفی، حافظ ابوبکر رازی حصاص حنفی، حافظ ابو محمد سمرقندی حنفی، حافظ قطب الدین حلبی حنفی، حافظ بدرالدین عینی حنفی۔

یہ وہ مشہور ومعروف محدثین ہیں جنہیں ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، آخرانہوں نے کیوں تقلید کی؟ بات دراصل یہ ہے کہ تقلید پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، اب تقلید سے انحراف خرق اجماع اور سواداعظم سے علاحدگی ہے، اسی لیے ان بزرگ محدثین نے ائمہ اربعہ کی تقلید کی ہے۔

سواداعظم تقلید کے قائل ہیں:

تقلید کے منکرین جنہیں چند حدیثیں یاد ہوگئی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی امام کی تقلید کی کیا ضرورت، ڈائریکٹ (Direct) حدیث پر عمل کریں گے، وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول سنیں، آپ فرماتے ہیں کہ **الحدیث بلا فقه ضلالة** صرف حدیث پر عمل بغیر فقہ کے یہ گمراہی ہے۔ یعنی اگر کوئی فقہائے کرام کے بغیر صرف حدیث کو سمجھنا چاہے تو وہ غلط مفہوم سمجھ کر گمراہیت کا راستہ اختیار کرسکتا ہے۔ بلکہ تجزیہ شاہد ہے کہ بہت سارے گمراہ ہو چکے ہیں۔ دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک عالم اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں میں اکثریت مقلدین ہی کی ہی ہے اور آج بھی ہے۔

اسی بات کی شہادت دیتے ہوئے مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماراءالنہر اور عجم کے تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک اور قابل اعتماد مؤرخ علامہ شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی مقلد ہے یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان، روس اور افغانستان کے مسلمان، چین اور ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان، شام وعراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک کے مقلد ہیں اور شام کے بعض اور حجاز ویمن، حبشہ، جاوا، انڈونیشیا اور کردستان کے مسلمان امام شافعی کے مقلد ہیں اور مغرب کے مسلمان اور وسط افریقہ کے مسلمان اور مصر کے کچھ لوگ امام مالک کے مقلد ہیں۔ عرب کے بعض مسلمان اور شام کے چند باشندے اسی طرح

نابلس اور رومہ کے بعض مسلمان حضرت امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں۔(حاشیہ حسن المساعی)

مذکورہ ممالک کے مقلدین صرف عوام ہی نہیں، بلکہ جلیل القدر علما، فقہا، محدثین اور مورخین اور صوفیا و اولیا بھی مقلدین کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ یہاں کے تمام بڑے بڑے علما، فقہا، مفسرین ومحدثین جنہوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے تک اسلام کو پھیلایا، جن کے دامن سے لاکھوں مسلمان وابستہ ہیں وہ بھی مقلد ہی ہیں، کسی نے تقلید کا انکار یا لوگوں کو اس پر نہیں ابھارا، بلکہ تقلید پر آمادہ کرنے کی سعی پیہم فرمائی۔ جیسا کہ علم حدیث اور تفسیر کے عظیم شہسوار محقق و مدقق حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ جنہوں نے احقاق حق اور ابطال باطل میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور بحث و مناظرہ کے ذریعہ نمایاں کارنامے انجام دیے، آپ اپنی کتاب ''فیوض الحرمین'' میں بابانگ دہل اعلان فرماتے ہیں:

عرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت و نفخت فی زمان البخاری و اصحابه. یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں وہ عمدہ طریقہ ہے جو میری مشہور سنت کے عین مطابق ہے، جس کو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں جمع کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مذہب حنفی کی حمایت فرمائی اور تمام مسلمانوں کو اس پر عمل کی تاکید بھی فرمائی اور غیر مقلدوں کے فتنے سے آگاہ فرما کر ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

اس کے برخلاف تقلید کے انکار اور اس کی مخالفت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صرف دو چار ہیں جنہوں نے تقلید کا انکار کیا ہے۔ داؤد ظاہری، ابن حزم، احمد بن تیمیہ، قاضی شوکانی اور کچھ رجحان ابن قیم جوزی کا بھی اسی طرف ہے۔ یہی وہ نام نہاد عالم ہیں جنہوں نے تقلید کا انکار کیا، مگر آج کے غیر مقلدین پر انتہائی افسوس ہے کہ یہ چاروں اماموں کی تقلید کا تو انکار کرتے ہیں مگر مذکورہ ان غیر مقلد اماموں کی تقلید اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخی حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت یعنی سواد اعظم ائمۂ مجتہدین کی تقلید کے حامل ہیں اور جو تقلید کے منکر ہیں وہ سواد اعظم سے ہٹ گئے ہیں، اسی لیے مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا **اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار** سوادِ اعظم کا

اتباع کرو، پیروی کرو، جو ان سے علاحدہ ہوا وہ علاحدہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔لہٰذا جملہ مسلمانوں سے اپیل ہے کہ آج کے غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں یہ درحقیقت وہابی نجدی فکر کے حامل ہیں،سواد اعظم سے دور اور اولیا و علما کے گستاخ ہیں،ان سے دور رہیں،ان سے سخت نفرت و بیزاری کریں۔اسی لیے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

اُمت مسلمہ کو ہر دور میں نت نئے مسائل کا سامنا رہا۔ معاشی مسائل، اقتصادی مسائل، سیاسی مسائل مگر انہی مسائل میں ایک مسئلہ جو سب سے اہم رہا ہے وہ محافظت شریعت کا مسئلہ ہے، حدود شرع کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ کیوں کہ ایک مسلمان جو اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھتا ہے دینی حمیت کا حامل ہے وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک معاش اور اقتصاد کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا تحفظ شرع کا مسئلہ ہے بلکہ اس راہ میں وہ اپنی جان دینا گوارا کرسکتا ہے مگر شریعت کی پامالی گوارا نہیں کرسکتا۔ تاریخ اسلام کے اندر اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

خیر القرون جو اسلام کا عہد زریں کہلاتا ہے اس کی تاریخ کا جائزہ لیں اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب تاجدار دو عالم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جب اسلامی معاشرے کی تشکیل عمل میں آئی، آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام اسلام کے قوانین وضوابط کو سمجھنے لگے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے لگے تو مدینہ منورہ اور مضافات میں اسلام پھیل گیا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلے صادر ہونے لگے، زندگی کا ہر قدم مطابق شرع اٹھنے لگا۔ اسلام کو روئے زمین پر تیزی سے پھیلتا ہوا دیکھ کر کفار مکہ کے سینوں میں بغض وعناد کا لاوا اُبلنے لگا۔ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکائی گئی جس کے نتیجہ میں جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ حنین وغیرہ رونما ہوئیں۔ بالآخر وعدۂ الٰہی کے مطابق شریعت کی حفاظت ہوتی رہی، پرچم اسلام بلند ہوا اور کفار دشمنان اسلام روسیاہ ہوگئے۔ ان جنگوں کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس وقت بھی مسلمان معاشی واقتصادی اعتبار سے بمقابلہ کفار کافی کمزور تھے۔ باعتبار تعداد کے بھی کم تھے مگر اس کے باوجود ان کے نزدیک معاش واقتصاد کا مسئلہ اہم نہ تھا بلکہ محافظت شریعت کا

مسئلہ سب سے اہم تھا۔ اسی مقصد کی خاطر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہوئے میدان کارزار میں اُتر پڑتے اور آخری سانس تک یہی جملہ زبانوں پر جاری رہا: ''فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ'' رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ اسی اہم کیفیت کا اظہار ڈاکٹر اقبال نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اسی طرح رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری سے رخصت فرمانے کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک نیا ہنگامہ بپا ہوا۔ وہ تھا منکرین زکوٰۃ کا فتنہ، اب یہاں جنگ اور مقابلہ کی نوعیت کچھ بدلی ہوئی ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھنے والے امتِ مسلمہ سے ہونے کا اقرار کرنے والے اسلام کے ایک اہم فریضہ زکوٰۃ کے منکر ہوگئے۔ اب یہاں بھی محافظت شریعت کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ اس لیے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام اعلان فرمادیا کہ جتنے بھی منکرین زکوٰۃ ہیں ہم ان کے خلاف جنگ کریں گے، جب تک وہ زکوٰۃ کا اقرار نہ کرلیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تصلب وتشدد ہزاروں گم گشتگان راہ کے لیے ہدایت کا باعث بن گیا۔ بہت سے کلمہ پڑھ کر پھر سے داخل اسلام ہوئے اور فرضیت زکوٰۃ کے قائل ہوگئے۔ مگر بعض جو مرتد ہی رہے وہ قتل ہوئے اور کچھ لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔

اسی طرح حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی جتنی کوششیں ہوئیں سب کا محور محافظت شریعت ہی ہے۔ انہیں مساعیٔ جمیلہ میں سے ایک اہم سعی یہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ پر عمل اور فیصلوں کے لیے باضابطہ تحقیق وتفتیش اور تائید حاصل کرنے کا سلسلہ رہا۔ اگر کوئی کسی مسئلہ میں حدیث پیش کرتا تو جب تک اس کی تائید میں کوئی دوسرا نہ ہوتا اس وقت تک اس پر فیصلہ موقوف ہوتا۔ یہ محافظت شریعت کا وہ عظیم جذبہ ہی تو تھا کہ اس قدر چھان بین اور تائید حاصل کی جارہی ہے تاکہ کوئی بھی دشمن اسلام شریعت اسلامیہ میں رخنہ اندازی نہ کرسکے اور شریعت مطہرہ کا وقار مجروح نہ ہوسکے۔ خلفائے راشدین کا

عہد زریں اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ حدودشرع کے تحفظ کا ہے باقی دوسرے مسائل ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

تاریخ کربلا کا سرسری جائزہ لیں تو مستندو معتمد روایات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ سے کوفہ جانے پر اگر کسی چیز نے مجبور کیا تھا تو وہ محافظت شریعت ہی کا مسئلہ تھا۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں موجود ہے کہ کچھ صحابۂ کرام نے جذبۂ خیر خواہی کے تحت حضرت امام کو کوفہ جانے سے روکنا چاہا تو حضرت امام قدس سرہ نے یہی فرمایا کہ آپ لوگوں کا روکنا بجا تو ہے مگر میرے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ کوفہ والوں نے کئی خطوط بھیجے ہیں جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یزید فسق و فجور کا داعی ہے، اس کی خلافت سے شریعت کی پامالی ہورہی ہے، ہم اس فاسق و فاجر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے بلکہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں گے اور اگر آپ یہاں نہ آئے اور ہمیں مجبوراً یزید کی بیعت کرنا پڑا تو پھر کل میدان محشر میں رب تعالیٰ ہم سے اگر پوچھے کہ فاسق کی بیعت کیوں قبول کی تو ہم یہی جواب دیں گے کہ نواسۂ رسول کو ہم نے بلایا تھا مگر وہ نہ آئے جس کے سبب ہمیں مجبوراً فاسق کی بیعت کرنی پڑی۔ اسی لیے میں اس فکر میں ہوں کہ بروز حشر میرا پروردگار اگر مجھ سے سوال فرمائے کہ اے حسین! تم کوفہ جاتے تو میری شریعت کی حفاظت ہوتی تم کیوں نہ گئے؟ اس وقت میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔

بالآخر حضرت امام حسین قدس سرہ نے اپنے چند رفقا اور اہل بیت کی معیت میں رخت سفر باندھا۔ اس قیامت خیز منظر کو اپنی نگاہوں کے سامنے لاؤ، جب حضرت امام اور ان کے رفقا پر پانی بند کردیا گیا اور ہر طرح کی پابندی لگادی گئی۔ بے پناہ ستایا گیا۔ جانور اور درندے نہر فرات سے سیراب ہورہے ہیں مگر جگر گوشۂ بتول، رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ایک قطرۂ آب کے لیے تڑپائے گئے۔ ننھی ننھی لاشیں تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئیں۔ پورا میدان کربلا خون زار بنا ہوا ہے مگر قربان جاؤں نواسۂ رسول کی ہمت و شجاعت پر کہ ان کے استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہوسکا۔ جب کہ حالات اس قدر سنگین تھے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا سورما ہوتا تو میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا مگر واہ رے عزم و استقلالِ حسینی فقط محافظت شریعت کی خاطر جان کی قربانی پر تیار ہوگئے۔ اور

یہ پیغام دے گئے:

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

یہی وہ زندہ جاوید حقیقت ہے جس کی بنیاد پر آج پوری دنیا کے دشمنانِ اسلام حیرت واستعجاب میں ڈوبے ہوئے ہیں بلکہ ان پر دہشت طاری ہے۔عہد حاضر میں صیہونی طاقتوں نے پھرانداز جنگ بدلا، جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ قرآن مقدس کی عمدہ تعلیمات کو تشدد اور دہشت گردی پر مبنی قرار دینے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے۔اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مسلسل حملے ہورہے ہیں۔ابھی چند دنوں سے ہمارے سامنے جو معاملات آئے ہیں انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہورہا ہے کہ اب پوری یہودی لابی نے شریعت اسلامیہ کو یکسر ختم کردینے اور مٹادینے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ان کے ناپاک عزائم کا ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں۔

ڈنمارک کے ایک اخبار نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر بطور کارٹون پیش کرکے توہین کی، امریکہ کی جوتے بنانے والی کمپنی نے جوتے پر کلمہ طیبہ تحریر کیا۔ہالینڈ کی ایک دوشیزہ کے برہنہ جسم پر قرآنی آیات تحریر کرکے دنیا بھر میں مذاق اُڑایا گیا الغرض عالم گیر سطح پر مسلمانوں کو اللہ کے حبیب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک اور قرآن مجید سے دور کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔اربوں کھربوں ڈالر خرچ کیے جارہے ہیں، نام نہاد مسلم لیڈرروں اور ڈاکٹروں کو خریدا جارہا ہے تاکہ انہیں کے ذریعہ اسلام کی جڑوں کو کھوکھلی کرسکیں اور اسلام کو بدنامی مل سکے۔

آج امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑا مسئلہ محافظت شریعت کا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ جملہ علمائے اہل سنت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں پھر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ کی جانے والی شرانگیزیوں کا منظّم طریقے سے دفاع کریں۔اپنی نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ جتنے بہتر انداز میں کرسکتے ہیں کریں۔عوام اہل سنت میں سے ہر فرد یہ عزم مصمم کرلے کہ ہمیں شریعت کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہونا ہے مگر اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر شخص پہلے اپنے گھر سے یہ کام شروع کرے۔اس لیے کہ آج رونا اس بات کا ہے کہ شریعت کی حفاظت کے لیے دنیا بھر میں احتجاج

کررہے ہیں، احکام شرع میں مداخلت کا شکوہ کررہے ہیں، جب کہ خود ہمارے گھروں میں، ہمارے محلوں میں شریعت کی خلاف ورزی ہورہی ہے محلے کے پنچ بن کر خلاف شرع فیصلے کررہے ہیں۔ دین کی تبلیغ واشاعت کے نام پر اپنی قد آدم تصویروں کی نمائش کر کے پوری قوم کو بت پرستی کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جب یہ صورت حال ہمارے اندرون خانہ کی ہے تو پھر ہمارا احتجاج اور ساری کوششیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی اسی لیے سب سے پہلے ہمیں اندرون خانہ کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے پھر کہیں ہم باہری حملوں کو روک سکیں گے۔

محرم الحرام میں جگہ جگہ جلسے منعقد ہوتے ہیں، اعراس اولیا کے موقع پر اور دیگر مواقع پر بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں مگر ہمارا مزاج نہ بدل سکا۔ آج اپنے مزاج کو بدلنے کی سخت ضرورت ہے۔ دولت واقتدار کے نشہ میں آج ہم میں سے اکثر کا مزاج غیر شرعی ہوتا جارہا ہے۔ اپنی طبیعت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہم احکام شرع کو پس پشت ڈالتے ہیں جب ہمارا یہ مزاج ہوگا تو محافظت شریعت کا مسئلہ کیسے حل ہوگا اور اگر خدانہ خواستہ یہی مزاج باقی رہا تو ہم عنقریب بڑی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے تیار رہیں۔

آج امت مسلمہ اس پر غور کرلے اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جہاد کی جو فضیلت آئی ہے وہ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لیے محافظت شریعت کا جو جذبہ اس مجاہد کے اندر ہے، وہی جذبہ اس کو تحت الثریٰ سے اوج ثریا کی بلندی تک پہنچادیتا ہے۔ پھر وہی مجاہد دنیا کی ساری آرزوؤں اور خواہشات کو خیر باد کہہ کر تحفظ شریعت کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کردیتا ہے۔ آج وہی جذبۂ شہادت اور تمنائے قربانی ہمیں پھر دنیا وآخرت کی عظیم کامیابی سے ہمکنار کرسکتا ہے اور دنیا کے بے شمار غموں سے نجات دلاسکتا ہے۔ **اللھم اعطنا شوق الشھادۃ.** (جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء)

اسراف اور بے اعتدالی کے مضر اثرات

اصحاب فکر ونظر سے مخفی نہیں ہے کہ آج قوم مسلم کی تعلیمی پسماندگی معاشی واقتصادی بدحالی کا اپنے غیر بھی رونا رو رہے ہیں حتی کہ اس کے تدارک کے لیے باظابط کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے تمام علاقوں کا سرسری جائزہ لے کر اپنی صحیح رپوٹ بھی پیش کردی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے مناسب حل کے لیے سفارشات بھی پیش کردیں۔ مگر حالات میں کوئی تبدیلی نہ آسکی بلکہ دن بدن حالات اور بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں، نت نئے کربناک مسائل پیدا ہوتے جارہے ہیں جن کا سدباب انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ آج قوم مسلم تاریخ کے جس دور سے گزر رہی ہے پوری تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بہ قول شاعر:

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ زندہ اور باشعور قوموں کی شان یہ ہے کہ وہ غفلت وتساہلی سے دور رہ کر منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ساتھ اپنے مسائل کا حل تلاش کرتی ہیں۔ آج جب کہ فرقہ پستوں کی منظّم شازشوں کے تحت فسادات کی آڑ میں ہماری معیشت تباہ کی جارہی ہے مہنگائی حد سے زیادہ بڑھا کر ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی جارہی ہے۔ ایسے کربناک ماحول میں سیاسی دلالوں اور نااہل حکومت وقت کا دست نگر بننے کی بجائے ہم اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کے پابند ہوجائیں جس کی بنیا پر خلاق کائنات نے ہماری نصرت وحمایت کا وعدہ فرمایا ہے، یقیناً جس کو خداوند قدوس کی مدد حاصل ہو وہ کبھی ذلیل ورسوا نہیں ہوتا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں فرمان خداوندی ہے: " ان ینصر کم

الله فلا غالب لکم ''۔ یہی وہ نام مصطفیٰ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم سکون وراحت سے فیضیاب ہو سکتے ہیں اور ہماری عظمت رفتہ واپس ہمیں مل سکتی ہے۔اسی نظام مصطفیٰ کی روشنی میں آج ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں،اپنے معاملات کا گہرائی سے مطالعہ کریں بالخصوص اپنی آئے دن کی تقریبات پر غور کریں۔انصاف ودیانت کے ساتھ اپنے معاملات پر تبصرہ کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہم اکثر معاملات میں اسراف وبے اعتدالی کا شکار ہیں،اسرف کا تو عالم یہ ہے کہ شاید شیطان بھی حیرت میں ہوگا کہ یہ مجھ سے دس قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔حالاں کہ نظام مصطفیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اسراف وفضول خرچی سے بالکل پرہیز کریں۔اللہ عزوجل نے اپنے کلام مقدس میں اسراف سے بچنے کی تاکید فرمائی اوراس کی مذمت بھی فرمائی جیسا کہ ارشاد فرمایا: '' ولاتبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین '۔' ہر گز فضول خرچی نہ کر، بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔اورایک مقام پرارشاد فرمایا: '' کلوا و اشربوا و لاتسرفوا ''. کھاؤ اور پیواور فضول خرچی نہ کرو۔

ان آیات کریمہ میں اسراف وبے اعتدالی سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے مگراس کے باوجود آج ہماری قوم بے اعتدالی اور اسراف میں بے انتہا تجاوز کرچکی ہے جس کا اندازہ بالخصوص ہماری تقریبات اورگھریلو رسموں سے ہوتا ہے۔شادی بیاہ کی رسموں کا تو کہنا ہی کیا؟ نظام مصطفیٰ میں شادی کے لیے انتہائی آسان اورسادہ طریقہ بتایا گیا مگر آج ہماری قوم نے ناجائز رسم ورواج ایجاد کر کے شادی کو اتنا مشکل بنادیا کہ آج ہماری ملت کے غربا بلکہ درمیانی حالت والے بھی سودی قرض لینے پر مجبور ہوگئے ہیں ورنہ ان کی بچیوں کی شادی نہیں ہو پائے گی۔لڑکے والوں کی جانب سے دو چیزیں تو سراسر خلاف شرع اوراسراف پرمبنی ہیں۔ایک تو یہ کہ جہیز کا مطالبہ ہوتا ہے اب تو موٹر،سائیکل،کار،فلیٹ کا بھی مطالبہ ہونے لگا ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کھل کر تو کہہ نہیں پاتے مگر اشارتاً کہہ دیتے ہیں اور اگر ان کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے تو شادی کے بعد لڑکی کو لعن طعن کرنا شروع کردیتے ہیں حتیٰ کہ سسرال میں اس کا رہنا دوبھر ہوجاتا ہے۔نوبت طلاق اور جدائی کی آجاتی ہے۔اور کہیں کہیں لڑکیاں خود کشی پر آمادہ ہوجاتی ہیں پھر کورٹ کچہری کی بنیاد پر گھر تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، یہ ساری تباہیاں بے اعتدالی کی بنیاد پر ہیں، حالاں کہ نظام مصطفیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر

آدمی اللہ پر کامل بھروسہ کر کے اپنی محنت وکوشش سے اپنا رزق تلاش کرے نہ کہ بھیک مانگے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صحیح سالم تندرست وتوانا ہونے کے باوجود جولوگوں سے مانگتا ہے وہ بہت بڑا مجرم وگنہگار ہے۔کل میدان محشر میں وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے سے گوشت نوچا ہوا ہوگا، تمام اہل محشر دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ وہی ہے جو بھیک مانگتا تھا۔لڑکوں کا دلہن والوں سے مانگنا یہ بھی سراسر ناجائز ہے جو بھیک مانگنے کے مترادف ہے۔انہیں تو چاہیے کہ رشتہ طے ہونے کے بعد کھل کر یہ کہہ دیں کہ ہمیں کچھ بھی مت دینا اور اگر دیں گے تو اس کو واپس کر دیا جائے گا، اس طرح سے اگر سختی سے رد کریں تو ان شاء اللہ اس بری رسم کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔اور جب تک ہم اعتدال پر آ کر جہیز مانگنے کی رسم بد کو ختم نہیں کریں گے ہمارے معاشرہ مین اخلاق سوز برائیاں جنم لیتی رہیں گی۔

اس رسم بد کا ایک خطرناک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ وہ بچیاں جن کے والدین مال ودولت کی تنگی کے سبب جہیز اور لڑکوں کا مطالبہ پورا نہیں کرسکتے وہ بچیاں اپنے پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لیے بیئر بار اور طوائف کے اڈوں پر جا کر جسم فروشی پر آمادہ ہیں۔ایک سرسری جائزے کے مطابق بیئر بار میں کام کرنے والی لڑکیوں میں تقریباً ۵۰ فی صد مسلم لڑکیاں شامل ہیں۔اسی طرح ایک دوسری رسم بد جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے اس میں بھی ہم بے اعتدالی اور اسراف کے شکار ہیں جب کہ اس رسم کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ اس میں ایک طرح کا ظلم نظر آتا ہے وہ یہ کہ لڑکے والے دوسو پانچ سو ہزار کی تعداد میں بارات لے کر دلہن کے گھر پہنچتے ہیں اب سب کے لیے ناشتہ کھانا اور دیگر ضروریات کا انتظام لڑکی والوں پر لازم کر دیا گیا ہے۔یہ کہاں تک درست ہے؟اوّلاً تو لڑکی والوں پر پوری بارات کو کھانا کھلانا یہ فرض وواجب سمجھ لیا گیا ہے۔اسی لیے ان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ ہمارے باراتیوں کا احترام کرنا اور اچھے سے اچھا کھانا کھلانا ان کے لیے بیٹھنے سونے وغیرہ کا انتظام کرنا جب کہ یہ زبردستی کی دعوت ہے اس کے جواز کی کوئی اصل نہیں، نہ اس کا حکم ہے۔اس رسم بد کا بھیانک نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ لڑکی والے اس انتظام کے لیے لاکھوں روپئے خرچ کر دیتے ہیں، شہروں میں جگہ کی تنگی ہوتی ہے اس لیے اس کے لیے مخصوص شادی ہال بک کرنا پڑتا ہے، صرف چھ سات گھنٹے کے لیے دو سے تین لاکھ روپیہ اس کا کرایہ ادا کرنا ہوتا ہے۔

اس میں ڈیکوریشن کا خرچ الگ اور کھانے بنوانے کے لیے کیٹررس کو آڈر دینا پڑتا ہے اس کا بھی دو تین لاکھ روپئے کا خرچ، جس میں سو سو قسم کے کھانے بنوائے جاتے ہیں چاہے کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ مگر رسم ادا ہونی چاہیے، کل ملا کر تقریباً آٹھ سے دس لاکھ روپے فضول خرچی میں چلے جاتے ہیں۔ یہ تو ادنیٰ پوزیشن میں نے بتائی اور جو اعلیٰ پوزیشن والے ہیں ان کے تو تیس سے پینتیس لاکھ روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسراف اور بے اعتدالی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟۔ اگر نظام مصطفیٰ کے مطابق بطریق سنت شادی کی جائے تو یقیناً اسراف سے بچ سکتے ہیں، اس لیے کہ طریقہ مسنون یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو اور دولہا اور اس کے گھر کے چار پانچ آدمی آجائیں، شرعی طریقے کے مطابق ایجاب وقبول ہو پھر فاتحہ کر کے چھوارے تقسیم کر دیں۔ پھر دلہن کی رخصتی ہو جائے از روئے شرع نکاح منعقد ہو چکا۔ کاش ! اس طرح شادی بیاہ میں مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً ہماری معیشت تباہ نہ ہو اور ہم معاشی طور پر دوسری قوموں سے کافی بلندی پر ہو جائیں اور دین کا کام بے انتہا پھیل جائے۔

آج دینی کاموں کے لیے ہمارے پاس فنڈ نہیں بہت سارے ایسے دینی کام ہیں جن کے لیے اگر علمائے کرام اپیل کرتے ہیں تو ہماری قوم کے اکثر رئیس حضرات انتہائی بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں مشکل سے پانچ سو، ہزار روپے دے دیں گے اور اس پر احسان جتائیں گے۔ مگر وہی لوگ فضول و ناجائز رسموں پر خرچ کرنے پر آجائیں تو لاکھوں روپئے بے دریغ خرچ کر دیں گے اس پر ذرہ برابر افسوس بھی نہیں ہوگا۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس کا حساب نہیں دینا ہے بروز قیامت ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا۔ اسی لیے آج ہم ہر میدان میں انتہائی پیچھے ہیں، ہمارا کوئی وقار نہیں رہ گیا ہے اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کچھ مستحبات اور مستحسن امور میں بھی ہم نے اتنا غلو کرنا شروع کر دیا ہے کہ جسے دیکھ کر ایک درد مند داعی دین کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بزرگوں کے مزارات پر آرائش وزیبائش اور قوالی ولنگر میں بھی ہم کافی بے اعتدالی کے شکار ہیں، اولیائے کاملیں ، بزرگان دین کے مقام ومرتبہ سے کسی کو انکار نہیں۔ ان کی عظمت ظاہر کرنے ہی کے لیے قبر کو پختہ بنانے اور مزار پر چادر ڈالنے کا حکم ہے۔ مگر یہ کون سا انصاف ہے کہ پیر صاحب کے مزار کا گنبد و مینار بننے کے لیے ساٹھ لاکھ خرچ کر دیے جائیں، مزار کے اندر دو ڈھائی لاکھ کا صرف جھومر آپ

لگارہے ہیں، دس دس ہزار کی چادریں چڑھارہے ہیں اور لاکھوں روپے قوالی مع مزامیر پر خرچ ہورہے ہیں، کیا یہ بے اعتدالی اور اسراف نہیں ہے؟ کیا وہ بزرگ اس بات کو اپنی حیات ظاہری میں پسند فرماتے۔ کاش! یہی رقم ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے خرچ ہوتی، عقائد و اعمال کی درستی کے لیے، کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ان کی نشر و اشاعت میں خرچ ہوتی، قوم و ملت کی فلاح و بہبود والے ادارے قائم کیے جاتے تو آج ہمارا سر فخر سے اونچا ہوتا۔ اجمیر مقدس اور بہت سارے بزرگان دین کے آستانوں پر حاضری دینے کے بعد کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ جنہوں نے دین حق کی خدمت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی اپنی ذات کے لیے کچھ نہ کیا بلکہ جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، صرف دین کے لیے۔ کیا ان کے ماننے والے، ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے والے بالخصوص ان کے نام پر کھانے والے مجاور اور خدام نے ان کے نام پر قوم کے لیے کوئی عصری ادارہ کھولا اور کوئی ہاسپٹل بنایا؟ کوئی فلاح ادارہ قائم کیا؟ آج ہماری قوم کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جائیں، جہاں عصری تعلیم کا معقول انتظام اسلامی طرز اور دینی تربیت کے ساتھ ہو اور بڑے بڑے ہاسپٹل جہاں صحیح علاج ہو۔ جب کسی عورت کی ڈلیوری کا مسئلہ ہوتا ہے تو ڈاکٹر آپریشن پر آمادہ کرتے ہیں جب کہ نارمل ڈلیوری کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس طرح سے مکمل طور پر افزائش نسل کو روکنے کی ساری تدابیر اختیار کی جارہی ہیں، ایسے ماحول میں ہمارا ہاسپٹل جہاں ایسے ڈاکٹر موجود ہوں جو دین دار اور شریعت مطہرہ کا لحاظ کرنے والے ہوں۔ اس طرف ہماری توجہ کیوں نہیں؟ آج بزرگوں کے آستانوں پر آنے والی رقم کے ذریعے ہم بہت سارے اہم اہم دینی کام انجام دے سکتے ہیں مگر افسوس صد افسوس!

نظام میکدہ بگڑا ہوا ہے اے ساقی
انہی کو جام ملتا ہے جنہیں پینا نہیں آتا

ملکی سطح پر منظّم ہوکر اسراف اور بے اعتدالی کے خلاف بھرپور احتجاج ہونا چاہئے۔ ہر ہر علاقے کی مسجد کی جماعت والوں کو چاہئے کہ اس پر سختی کریں کہ جہاں ایسی شادی ہوگی ہماری جماعت نہیں جائے گی اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں ہوگا۔ اور ہمارے علمائے کرام بھی اس پر زور دیں کہ ایسی تقریبات میں ہم شرکت نہیں کریں گے اور نکاح نہیں پڑھائیں گے تو یقیناً آہستہ آہستہ اسراف

سے بچنے کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔اسی طرح گھریلو زندگی میں استعمال ہونے والی چیزوں میں ہمیں چاہئے کہ ہم درمیانی راہ اختیار کریں،یعنی کھانے پینے اور پہننے کے سلسلے میں اتنا خیال ضرور رکھیں کہ کبھی ایسی بھی حالت آسکتی ہے کہ ہمارے پاس دولت نہیں رہ گئی،آمدنی کے سارے ذرائع بند ہوگئے تو ہمیں صبر کرنے میں کافی دشواری محسوس ہوگی اوراس کا بھیانک نتیجہ یہ بھی سامنے آسکتا ہے کہ جب آمدنی کے ذرائع بند ہوجاتے ہیں تو انسان چوری اور ڈکیتی پر آمادہ ہوجاتا ہے اور کچھ لوگ عزت بچانے کے لیے خودکشی کر لیتے ہیں جب کہ یہ دونوں کام حرام ہیں۔اس لیے ہم اپنی درمیانی زندگی گزاریں اوراس سلسلے میں اپنے سے نیچے والے یعنی غریبوں کو دیکھیں تو ان شاءاللہ زیادہ کی لالچ پیدانہیں ہوگی بلکہ صبر وقناعت کا جذبہ پیدا ہوگا،اسی لیے یہ روایت ہے: ”من قنع جلّ ومن طمع ذل“. جس نے قناعت اختیار کی وہ باعزت ہوگیا اور جس نے لالچ اختیار کی وہ ذلیل ہوگیا۔عام طور پر بےاعتدالی کی بنیاد پر ذلت ورسوائی کا سامنا ہوتا ہے اس لیے بےاعتدالی سے پرہیز کریں اوراسراف سے دوررہیں۔”خیر الامور او سطھا“ یعنی تمام کاموں میں سب سے بہتر درمیانی راستہ ہے۔یہی قانون ہماری معیشت اور ہر میدان زندگی میں ترقی کی ضمانت ہے۔(اپریل تاجون۲۰۱۰ء)

عالمی دہشت گرد اور انسانیت کا سب سے بڑا قاتل

عالمی پیمانے پر اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو پوری طرح سے کمزور کرنے کی سازش کا پردہ فاش ہوگیا، اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر جھوٹی افواہوں کا بازار گرم کرنے والے یہودی و مسیحی خود ہی سب سے بڑے دہشت گرد ثابت ہوگئے ،آج دنیا کا ہر امن پسند، غیر متعصب اور باشعور انسان اس بات کو محسوس کر رہا ہے کہ ایشیا میں امریکہ اور برطانیہ کی ناجائز اولاد اسرائیل سب سے بڑا دہشت گرد ہے، کیوں کہ ایک طویل عرصہ سے اسرائیلی اور یہودی فلسطینیوں پر مسلسل ظلم و جبر کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، لاکھوں بچوں اور خواتین کو بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا، ابھی حال ہی میں غزہ کی سرزمین پر بسنے والے بے بس انسانوں کی مکمل ناکہ بندی کر کے انہیں دانے دانے کا محتاج بنادیا، جو خوراک اور دواؤں سے محروم ہوگئے، اس پر بھی جی نہیں بھرا تو ان محصور کسمپرسی کے عالم میں پڑے ہوئے انسانوں پر بم باری شروع کردی، بے شمار گھر اسکول او رہسپتال تک کو تباہ کر کے رکھ دیا، کوئی دن ایسا خالی نہیں جاتا کہ اسرائیل کی جانب سے جنگی جہاز ان نہتے شہریوں پر بم و بارود نہ برساتے ہوں۔

ان ظالموں کا الزام یہ ہوتا ہے کہ ان کی جانب سے راکٹ داغے گئے، جب کہ وہ محصور عوام جو روٹی کے لیے ترس رہے ہیں جن کے پاس رہنے کا گھر نہیں ہے زخمی حالت میں دوا کے محتاج ہیں وہ راکٹ کہاں سے لائیں گے؟ یہ یہودی میڈیا کی کذب بیانی ہے۔مگر حیف صد حیف کہ پوری دنیا میں اس وحشت و درندگی اور دہشت گردی کے خلاف کہیں سے آواز نہیں اٹھائی جاتی، کچھ لوگوں نے فقط رسمی انداز میں فلسطینیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا مگر اسرائیلی درندوں پر پابندی اور انہیں سخت سزا دلانے کی بات کوئی نہیں کرتا۔عراق کو صرف اس بنیاد پر تباہ کیا گیا کہ اس کے پاس خطرناک ہتھیار رہیں مگر کئی سال گزرنے کے بعد بھی ان کا کوئی ثبوت نہ مل سکا۔لیکن کیا اسرائیل کے پاس خطرناک ہتھیار موجود نہیں ہیں جس نے ان ہتھیاروں کے ذریعہ دہشت گردی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی

کیا،اس سے بڑی دہشت گردی اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب اسرائیلوں کا ناجائز اور غیر قانونی حصار توڑ کر دنیا کے سیکڑوں دردمند انسانوں نے نہتے بھوکے مظلوم فلسطینیوں تک امداد پہنچانے کی غرض سے ایک قافلہ تیار کیا جس میں عورتیں بوڑھے سب شامل تھے، پروفیسر، ادیب، شاعر،صحافی اور کئی ملکوں کے سوشل ورکر، سماجی کارکن، ڈاکٹرز وغیرہ بھی تھے،تقریباً (۷۰۰) سات سو افراد پر مشتمل دردمندوں کا یہ قافلہ صرف غزہ کے مفلوک الحال انسانوں تک خوراک وامدادی سامان پہنچانے کی غرض سے سمندری راستہ سے رواں دواں تھا۔امن پسندوں کا یہ کارنامہ عالمی ضمیر کو بیدار کرنے کی سب سے بڑی کوشش تھی جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے،ابھی یہ قافلہ غزہ کی سمندری حدود سے تقریباً ۴۵ کلومیٹر دوری پر تھا،صبح نمودار ہونے کے قریب ہے، اچانک اسرائیلی ہیلی کاپڑ اوپر سے آئے اور اس بحری بیڑہ پر حملہ کر دیا جس کے سبب کئی ہلاک ہوگئے اور بے شمار افراد زخمی ہوگئے، کیا یہ کھلی ہوئی دہشت گردی اور بدترین جرم نہیں ہے؟ دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے امریکہ کا ساتھ دینے والے وہ امن کے ٹھیکیدار کہاں ہیں؟ کیا اقوام متحدہ کو سانپ سونگھ گیا ہے؟ کیا قوانین اور سزائیں صرف عراق اور افغانستان والوں کے لیے ہیں، اسرائیلی کچھ بھی کریں ان کے لیے کوئی قانون، کوئی سزا نہیں، یہ آج کے دہشت گرد نہیں صدیوں کے پرانے دہشت گرد ہیں۔

اسلامی جہاد کو دہشت گردی اور غارت گری کا نام دے کر میڈیا کے بل بوتے پر پوری دنیا میں واویلا مچانے والے خود اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں اور ان مغربی اقوام کے جھوٹے دعوؤں پر فریب کھا کر مسلمانوں کے ساتھ تعصب و تنگ نظری کا مظاہرہ کرنے والے برادران وطن سے ہماری گذارش ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے سیاہ اور دہشت و وحشت سے پر کارناموں کا جائزہ لیں۔اپنے آپ کو مہذب اور انسانی حقوق کے علمبردار بتانے والے یہ تن کے گورے من کے کالے دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ہیں، سب سے بڑے ظالم ہیں، ظلم کی داستانوں سے ان کی تاریخ بھری پڑی ہے۔یہی وہ دہشت گرد اور ظالم ہیں جنھوں نے پہلی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ بتیس ہزار (73,32000) بے قصور انسانوں کا قتل عام کیا۔دوسری جنگ عظیم میں چار کروڑ چونتیس لاکھ تینتالیس ہزار گیارہ (4,34,43011) انسانوں کو ابدی نیند سلا دیا اور ان کے خون سے پوری زمین کو رنگین کر دیا۔

برطانیہ اور فرنس نے کئی ممالک کو اپنی طاقت کے بل بوتے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان کی جائیداد واملاک پر قبضہ کیا ان کا استحصال کیا پھر ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ کر انہیں کی سرزمین پر ان کا خون بہایا۔ کیا ہندوستانی اس بات کو بھول گئے کہ خود برطانیہ نے ہمارے پیارے وطن ہندوستان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور ہمارے آباواجداد پر کیا ظلم ڈھائے تھے۔ یہی وہ ظالم ہیں جنہوں نے دہشت گردی پھیلا کر ہمارے ملک ہندوستان کو اپنا تجارتی مرکز بناتے بناتے اسے اپنی کالونی اور ولایت میں تبدیل کردیا پھر 1857ء سے 1947ء تک سارے ہندوستانیوں کو باضابطہ غلامی کی زنجیر پہنا کر خوب مشق ستم بنایا، ہندو مسلم نفرت وتعصب کا بازار گرم کیا، آخر ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پوری طرح سے چوس کر ہی دم لیا۔

امریکہ کے مظالم کی تو کوئی انتہا نہیں، یہی وہ ظالم اور دہشت گرد ہے، جس نے ویت نام کے نہتے انسانوں پر وحشت ودرندگی کا کھلا مظاہرہ کیا، عراق پر لاکھوں ٹن بم بارود برسا کر لاکھوں لاکھ بے گناہ انسانوں کا قتل عام کیا، شاید عراق کا کوئی ایسا چپہ باقی نہ رہا ہوگا جہاں انسانوں کا خون نہ بہا ہو، امریکی فوجی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عورتوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرتے رہے، بے گناہ بچوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناتے رہے اور اس مقدس سرزمین کے تقدس کو پامال کرنے اور انسانی لاشوں کے انبار لگانے میں آج بھی مصروف ہیں۔ افغانستان پر جارحانہ حملے قتل وغارت گری سب اس کی دہشت گردی کی تازہ مثالیں ہیں۔ امریکہ ہی نے عربوں کی سرزمین پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی حرامی اولاد اسرائیلیوں کی بستی بسا کر نئے ملک کو وجود دیا ہے، جب کہ تاریخ عالم میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ آج وہی اسرائیل امریکہ کی پشت پناہی سے مظلوم فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جارہا ہے، انہیں پوری طرح سے تباہ وبرباد کرنے کے لیے ہر منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہے۔

درحقیقت یہ ساری کوششیں اور میڈیا کے ذریعہ جھوٹے دعوؤں کا پروپیگنڈہ یہ سب اسلام دشمنی کا بخار ہے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور تیزی سے پھیلتا ہوا دیکھ کر یہودیوں کے سینوں میں لاوا ابلنے لگا ہے دراصل امریکہ اور برطانیہ صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کے اتنے بڑے دشمن ہیں کہ وہ کسی بھی مسلم ملک میں شریعت اسلامیہ کی حکمرانی یا شرعی احکام پر مبنی حکومت کو برداشت ہی نہیں کرتے، ایسے ملک کو فورا اپنا نشانہ بنالیتے ہیں، حالاں کہ انسانیت کا درد رکھنے والے غیر

متعصب امن پسند انسانوں کے دل سے اگر پوچھا جائے تو وہ اس حقیقت کا اعتراف ضرور کرتے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کا نہیں بلکہ امن وآشتی، محبت وروا داری کا مذہب ہے، اسلام میں تعصب وتنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ محبت اور انسانی ہمدردی کی اعلیٰ تعلیم سے روشناس کرتا ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

بہت سارے انگریز مفکروں اور دانشوروں نے اسلام کی عظمت کے خطبے پڑھے ہیں اور ہندوستان کی غیر مسلم بڑی بڑی شخصیتوں نے بھرے مجمع میں اپنی زبانوں سے یہ اعتراف کیا ہے کہ اسلام امن پسندی اور صلح وآشتی کا عظیم پیغام ہے۔ موہن داس، کرم چند گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو، منشی پریم چند، سروجنی نائیڈو، گرونانک وغیرہ اس فہرست کی اہم شخصیتیں ہیں اور بڑے بڑے مفکروں کی پیشین گوئیاں سامنے آرہی ہیں کہ پوری دنیا کا مستقبل کا مذہب اسلام ہی ہے۔

یقیناً اسلام سب سے پاورفل (pover full) طاقتور انتہائی مؤثر مذہب ہے اس کو مٹانے والے خود ہی فنا کے گھاٹ اتر گئے مگر اسلام اپنی آب وتاب کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی وہ ابھرے گا

مگر آج ہم مسلمانوں نے نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر بداعمالیوں کے سبب اپنے آپ کو کمزور کرلیا ہے۔ جہاں اطاعت الٰہی واطاعت رسول کی بات آتی ہے وہاں غفلت وکوتاہی برتتے ہوئے اپنی طبیعت کو شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ آج ہماری کمزوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اس کے احکام کے ساتھ ہمارا سلوک بس ایسا ہے جیسے ہم سوتے وقت چادر تان لیتے ہیں پھر نیند سے بیدار ہونے کے بعد چادر اٹھا کر رکھ دیتے ہیں، بس ایسے ہی اسلام پر رسم ورواج کی حد تک ہمارا عمل ہے۔ حالاں کہ دراصل ہونا یہ چاہئے کہ ہماری رگوں میں اسلام دوڑتا ہوا نظر آئے، زندگی کے ہر قدم پر اسلام کی جھلک نظر آئے۔ جب یہ کیفیت ہمارے اندر پیدا ہوجائے گی تو ان شاء اللہ تائید خداوندی ہمارے ساتھ ہوگی، کوئی قوم یا حکومت مسلمانوں کا بال بیکا نہیں کرسکتی۔

آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مظاہرہ کریں اور صلح وآشتی، امن وسکون جیسے بہترین کردار کا مظاہرہ کریں تو کوئی بعید نہیں کہ جو قومیں ہم سے دور ونفور ہیں وہ قریب آکر اسلام کے دامن سے وابستہ ہوجائیں، کیوں کہ ظلم ودہشت گردی اور انسانوں کے قاتل کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے، اب دنیا والوں کو یہ پہچاننا آسان ہو گیا ہے کہ اصلی دہشت گرد اسلام نہیں بلکہ یہودیت ومسیحیت ہے۔ عنقریب ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا اور ہر جگہ اسلام ہی کا نور نظر آئے گا۔ اسلام زندہ باد! (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۰ء)

سفرِ حج اور وہابیوں کا فریب

سفرِ حج ایک ایسا عظیم سفر ہے کہ جس کا نام سنتے ہی مومن کا دل مچل اٹھتا ہے اور ایک مسلمان اس سفر کو دنیا کے تمام اسفار پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی عظیم سفر کی تمنا لیے ہوئے زندگی کی شاہراہوں پر بڑی تگ ودو کرتا رہتا ہے، ہر مومن کے دل میں حیات کے آخری لمحات تک یہی آرزو، امنگ اور خواہش ہوتی ہے کہ کم از کم ایک بار اس عظیم سفر کی سعادت حاصل ہو جائے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ اگر ایک بار سعادت حاصل ہو جائے تو پھر بار بار کی تمنا اور خواہش ہونے لگتی ہے اسی مبارک ومسعود سفر کے لیے ایثار وقربانی کا اس قدر جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ سفر کی تمام تکالیف وپریشانیاں اس کے نزدیک ہیچ ہو جاتی ہیں، ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، بلکہ عشاق کی تو یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ اگر موت بھی آئے تو اسی دیارِ پاک میں آئے، بھلا ایسا جذبہ کیوں نہ ہو جب کہ اس سفر کے متعلق اللہ کے پیارے رسول ہمارے آقا ومولیٰ حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے حج مبرور کی سعادت حاصل ہو جائے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے تولد ہوا۔ (ترمذی شریف)

حج مبرور کی جزا جنت ہے۔ حاجی اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

حج اور عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے۔ بحیثیت سفر اگر دیکھا جائے تو دنیا کے بیشتر ممالک ایسے ہیں جو انتہائی خوبصورت اور دلوں کو موہ لینے والے ہیں۔ مگر اس کے باوجود مسلمان کی نظر میں سفرِ حج کئی گنا زیادہ اہمیت وفضیلت کے قابل ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟۔ اس پر اگر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر ہمارے آقا ومولیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج کے یہ فضائل نہ بتائے ہوتے تو آج ہماری نگاہوں میں حج کی اتنی اہمیت نہ ہوتی نیز مکہ مکرمہ وخانۂ کعبہ اور وہاں کے دیگر

مقامات مقدسہ کے فضائل بیان نہ کیے ہوتے تو ان کی بھی عظمت کا ہمیں پتہ نہ چلتا۔لہٰذا یہ احسان عظیم ہے محسن انسانیت محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ آج ہمارے دلوں میں خانۂ کعبہ کی عظمت بیٹھی ہوئی ہے۔اور گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو ایک راز اور کھلتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے کائنات کے ہر ذرہ کو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں وجود بخشا۔تو مکہ مکرمہ، خانۂ کعبہ، ملتزم، حجر اسود، عرفات، مزدلفہ، منیٰ یہ ساری چیزیں ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وجود میں آئیں۔لہٰذا ان تمام چیزوں سے کئی گنا زیادہ، عظمت آقائے دو عالم صلی اللہ عالیٰ علیہ وسلم کی ہے حجر اسود جو گناہوں کو جذب کرنے والا ایک پتھر ہے جسے بوسہ دینے کے لیے لوگ وارفتگی کے عالم میں ٹوٹ پڑتے ہیں۔اس پتھر کو بھی عظمت ملی ہے تو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا اے حجر اسود! اگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔درحقیقت ان تمام مقامات مقدسہ کی عظمتیں اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت پر قربان ہیں۔اسی لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

اور ایک مومن عاشق رسول کو اگر سفر حج کی سعادت حاصل ہوتی ہے تو اس کے دل سے یہ صدا نکلتی ہے۔یہ صدقہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے کہ مجھ حقیر کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اسی لیے وہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو اپنے سفر کا مقصود اصلی سمجھتا ہے۔کیوں کہ آپ ہی کے طفیل حج کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔اسی لیے تمام عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترجمانی فرماتے ہوئے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

ہائے افسوس! کتنے بڑے احمق ہیں، کس قدر ظالم ہیں وہ جو سفر حج کی عظمت کو تو مانتے

ہیں، خانۂ کعبہ، حجر اسود کی عظمت کو تو مانتے ہیں مگر محبوب رب العالمین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو نہیں مانتے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کو معاذ اللہ شرک یا حرام کہہ کر مسلمانوں کو ان سے متنفر کرنے اور دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وہ ظالم ہیں جنہیں پوری دنیا میں وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بظاہر کلمہ گو ہیں مگر درحقیقت گستاخ رسول ہیں۔ انہیں کے پیشوا امام الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم اکبر یعنی بڑا بت کہا تھا (معاذ اللہ) اسی لیے زیارت روضۂ اقدس کو بت پرستی کے مثل قرار دے کر شرک کا فتویٰ دے دیا۔ اور آج کے تمام وہابی نجدی سعودی اسی کو مانتے ہیں، اسی کے نظریات پر عمل پیرا ہیں۔

وہابیوں کا کھلا فریب: اس سلسلہ میں وہابی دیوبندی ایک حدیث پاک کا سہارا لیتے ہیں اور اس حدیث پاک کا غلط معنی و مفہوم بتا کر لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور گمراہیت پھیلاتے ہیں۔ وہ حدیث ملاحظ فرمائیں۔ **عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم لاتشدوا الرحال الا الیٰ ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول ومسجد الاقصیٰ (بخاری شریف کتاب التهجد)**

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ارشاد فرمایا تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کے لیے کجاوہ نہ باندھا جائے یعنی سفر نہ کیا جائے (۱) مسجد حرام (۲) مسجد رسول (۳) اور مسجد اقصیٰ۔

وہابیوں کے پیشوا احمد بن تیمیہ نے اسی حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے۔ آج کے تمام وہابی غیر مقلدین نجدیوں کا یہی مذہب ہے صرف اتنا ہی نہیں کہ اسے حرام جانتے ہیں بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اور ہندوستان میں وہابیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان ص:۴۴ میں لکھا ہے: ”کسی کی قبر پر یا چلہ پر یا کسی کے تھان پر دور دور سے قصد کرنا اور سفر کی رنج و تکلیف اٹھا کر میلے کچیلے ہو کر وہاں پہنچنا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا گھاس نہ اکھاڑنا اور اس قسم کے کام کرنے اور ان سے کچھ دین و دنیا کے فائدے کی توقع رکھنی شرک ہے“۔ اس عبارت میں کسی کی قبر کہہ کر سارے قبور کو شامل کیا حتیٰ کہ

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر یہی حکم پیش کیا۔ نیز اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری، اعراس میں شرکت کو ان وہابیوں نے ناجائز وحرام قرار دیا جب کہ اس حدیث سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اولاً تو جان بوجھ کر حدیث پاک کا غلط معنی ومفہوم پیش کرنا جو کہ سراسر اسلامی نظریہ کے خلاف ہو یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہوا۔ جس کے متعلق خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار.** جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اس کا جو اپنی طرف سے گڑھ کر پیش کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے اس کو بھی یہ حکم شامل ہے اور جو غلط معنی بتا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے اس کو بھی شامل ہے۔

اب آیئے حدیث مذکور کا صحیح معنی ومفہوم جو جلیل القدر محدثین کرام نے پیش فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ دنیا کی تمام مساجد میں صرف تین مساجد کی تخصیص کثرتِ ثواب کی وجہ سے ہے۔ یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ ان مساجد میں نماز کا جو ثواب ہے وہ دنیا کی کسی مسجد میں نماز کی ادائیگی پر نہیں ہے بلکہ ان میں ثواب برابر برابر ہے۔ دوسری حدیثوں کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ مسجد حرام میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ تو ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہوا اور مسجد نبوی شریف میں ومسجد اقصیٰ میں ایک نیکی پچاس ہزار کے برابر تو یہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہوا۔ تو اب اگر کوئی ایک لاکھ نماز کا ثواب حاصل کرنا چاہے تو وہ مسجد حرام شریف کا سفر کر کے جائے وہاں نماز پڑھے تو ایک لاکھ نماز کا ثواب مل جائے گا اور جو کوئی پچاس ہزار نماز کا ثواب حاصل کرنا چاہے تو وہ مسجد نبوی شریف کا سفر کر کے جائے وہاں نماز پڑھے تو اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب مل سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک لاکھ یا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کے لیے دنیا کی کسی اور مسجد کا سفر کرے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں کیوں کہ اپنے گاؤں یا اپنے شہر کی مسجد میں جو ثواب ہے وہی اس کو دوسرے شہر یا دوسرے ملک کی مسجد میں ملے گا تو پھر اس کا یہ سفر کرنا بے سود ہے۔ بلا وجہ اپنے آپ کو مشقت وتکلیف میں ڈالنا ہوا۔ اور بلا وجہ شرعی اپنے آپ کو محنت ومشقت یا تکلیف میں ڈالنا ناجائز ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ اب تین مسجدوں کے علاوہ کس کے لیے کجاوہ نہ باندھا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مطلقاً کہیں کا سفر نہ کیا

جائے کہیں بھی سفر کے لیے جانا ناجائز ہے۔ کیونکہ بہت ساری ایسی صورتیں ہیں کہ دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مثلاً کسی شہر میں ایک بہت بڑے متقی پرہیزگار جید عالم باعمل آرہے ہوں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی غرض سے سفر کر کے جانا بالکل جائز ہے۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے: **من صلی خلف عالم تقی کانما صلی خلف نبی.** جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ آج کون ایسا مسلمان ہے کہ جو یہ نہ چاہتا ہو کہ نبی کے پیچھے نماز پڑھے بلکہ ہر مسلمان کی دلی آرزو ہوتی ہے جو نبی کے پیچھے نماز پڑھنے کا زندگی میں ایک بار ہی صحیح موقع مل جائے۔ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے کہ اس نیت سے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے۔ اگر چہ اس کے لیے کسی دوسرے شہر میں جانا پڑے، کیوں کہ وہ ثواب کا حصول مقصود نہیں ہے جو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں ہے بلکہ نماز کا ثواب تو اپنی جگہ ہے اس کا مقصود فقط ایک متقی عالم دین کے پیچھے نماز ادا کر کے نبی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے۔ اسی طرح کسی مسجد کی تعمیر یا بنیاد رکھنے کے لیے جانا ہے یا کسی دوسرے شہر میں اپنے جلسہ یا پروگرام کی غرض سے جانا ہے اگر چہ وہ جلسہ مسجد میں ہورہا ہو تو اس کی بھی شرعاً اجازت ہوگی۔ اس کو تو ناجائز وحرام نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح جہاد، طلب علم، تبلیغ دین، تجارت، سیاحت، وغیرہ کسی بھی سفر کے لیے جانا یہ سب جائز ودرست ہے۔ اور اگر وہابیوں کے بتائے ہوئے معنی ومفہوم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ سب کے سب ناجائز وحرام ہو جائے۔ حالانکہ ان سب کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

جاہل شرعی اصول سے نابلد ہے یا بغض وعناد میں چور ہے۔ یہ روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور کرنے کی بھیانک سازش ہے جو ان وہابیوں نے رچی ہے۔ حالاں کہ اس سلسلہ میں صراحتاً حدیث پاک میں احکام موجود ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''**من زار قبری وجبت لہ شفاعتی**''. جو میری قبر کی زیارت کرے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔ ''**من حج ولم یزرنی فقد جفانی**''. جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے گویا مجھ پر ظلم کیا۔ ان دونوں حدیثوں سے بالکل واضح ہورہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کون ایسا بدبخت ہے جو حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہنا چاہتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہابیوں پر اللہ رب العزت کا یہ دنیاوی عذاب ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رکھا اس طور پر کہ یہ وہاں جائیں ہی نہیں کہ انہیں شفاعت ملے۔ اسی طرح وہ دنیا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت نہ کر کے حضور پر ظلم کرتے رہیں پھر ان کو آخرت کا عذاب بھی مل جائے جیسا کہ قرآن عظیم میں اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا . (سورۂ احزاب، پ:۲۲) جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس دور کے وہابی بالخصوص جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں، ان کا نظریہ ان کا مذہب ان کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر نہ کیا جائے اسی طرح دیگر اولیائے کرام کے آستانوں پر جانے کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ جب کہ یہ عقیدہ یہ نظریہ سراسر حدیث پاک کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **کنت نھیتکم عن زیارة القبور الا فزوروھا** میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا خبردار اب زیارت کرو۔

اولیاے کرام کی قبروں پر حاضر ہونا حرام ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح مطلقاً زیارت کا حکم نہ فرماتے۔ پتہ چلا کہ زیارت قبور بحکم حدیث جائز و مستحسن ہے اور وہابی بدعقیدہ حدیثوں کے معانی کو ردوبدل کر کے پیش کرتے ہیں اسی لیے وہ گمراہ ہو گئے بلکہ بغض وعناد میں اتنی شدت آ گئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کی شان میں توہین وگستاخی کرنے لگے اور آج تک اسی پر قائم ہیں۔ جب کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ بارگاہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ادنیٰ سی گستاخی کفر ہے وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے جملہ علمائے اسلام بشمول علماے حرمین شریفین کا متفقہ فتویٰ ہے کہ وہابی کافر و مرتد خارج از اسلام ہیں۔ ان سے دور رہو، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھو وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھنا بالکل جائز نہیں اگرچہ وہ مسجد حرام شریف یا مسجد نبوی شریف کا امام ہو۔

سفر حج کے لیے جانے والے تمام زائرین کے لیے یہ پیغام ہے مسجد حرام شریف میں یا مسجد

نبوی شریف میں جو اس وقت موجودہ امام ہے اس کے پیچھے نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھیں ورنہ ایک نماز کے بدلے ایک لاکھ گناہ ہوگا، کیونکہ کافر ومرتد کے پیچھے جان بوجھ کر نماز پڑھنا گناہ اور وہاں ایک گناہ ایک لاکھ کے برابر یا پچاس ہزار کے برابر تو پتہ چلا کہ ثواب کی بجائے گناہ لاد کر چلے آئے۔ اسی لیے ان وہابیوں کے ظاہری چمک دمک، صاف صفائی، ان کا مساجد کا اہتمام وغیرہ دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں اور ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں یہ بہت بڑے مکار دھوکہ باز عیار وغدار ہوتے ہیں ان سے دور رہیں اپنا ایمان اپنا عقیدہ بچانے کی کوشش کریں۔ اسی لیے حضور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء)

گوشۂ مضامین

قربانی تین دن یا چار دن؟

’’ماہنامہ مجلّہ الاعتصام، ممبئی‘‘ میں شائع شدہ مضمون ’’چار دن قربانی کی مشروعیت‘‘ کا مدلل و مفصل جواب قرآن و احادیث کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ حبیبہ الکریم

اللہ عزوجل کے احکام میں سے ایک حکم قربانی بھی ہے۔ جو ہر مسلمان مرد و عورت، عاقل و بالغ، صاحب نصاب، مقیم پر واجب ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس کے فضائل احادیث کریمہ میں بکثرت وارد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان اللہ کی اس عظیم عبادت کو فقط اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں جو احکام آئے ہیں ان سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کا وقت عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد سے شروع ہوکر بارہویں ذی الحجہ کی غروب آفتاب سے پہلے تک ہے۔ یعنی تین دن تک قربانی جائز ہے اس کے بعد نہیں۔ صحابہ کرام کا یہی فتویٰ ہے اور تینوں ائمہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی قربانی تین دن تک ثابت ہے، اس کے بعد نہیں۔ قرآن حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے ثابت ہے کہ قربانی تین دن تک ہے اس کے بعد نہیں اور اس پر جمہور علمائے اہل سنت کا اتحاد و اتفاق بھی ہے۔ اس کے دلائل آگے ملاحظہ فرمائیں، اس سے قبل ایک مضمون کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔ ابھی چند دنوں پہلے ’’ماہنامہ مجلّہ الاعتصام، ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۲ء‘‘ میں ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان ہے ’’چار دن قربانی کی مشروعیت: کتاب و سنت اور سلف کے اقوال کی روشنی میں‘‘ مضمون نگار عبدالباری شفیق السّلفی ہے۔

انصاف اور دیانت کی نظر سے اگر اس مضمون کا جائزہ لیں تو آپ کو یقین ہوگا کہ مضمون نگار

نے اتنے سفید جھوٹ کا سہارا لیا ہے کہ ابلیس بھی اس سے پناہ مانگتا ہوگا۔ اللہ عزوجل کا خوف دل میں نہ ہوتو آدمی انتہائی شرمناک حرکت کر بیٹھتا ہے یہی معاملہ مضمون نگار کے ساتھ ہوا۔ اس کا یہ جملہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، لکھتا ہے:

''لیکن آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں بعض نام نہاد مسلمانوں نے چار دن قربانی کی مشروعیت کو غلط ثابت کرنے کی ناہنجار کوشش کی ہے۔''

اور مضمون کے آخری صفحہ پر لکھتا ہے:

''اور جو نام نہاد و باطل پرست افراد قربانی کے ایام کو صرف تین دن کے لیے خاص کرتے ہیں وہ اپنے اس قول و فعل میں جھوٹے ہیں۔''

اس بے وقوف اور گمراہ نے کتنے صحابۂ کرام، تابعین کرام اور بڑے بڑے محدثین کو نام نہاد مسلمان اور ان کے فتوؤں کو ناہنجار کوشش اور انہیں باطل پرست قرار دیا۔ اس سے بڑا ظالم اور بدبخت کون ہوسکتا ہے، اس کو اتنی بھی شرم نہیں آئی کہ تین دن کا قول کرنے والے اجلہ صحابہ اور تابعین بھی ہیں اور خود مکاری وعیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیات کریمہ کا غلط مفہوم بتا کر پوری امت مسلمہ کو کتنا بڑا دھوکہ دے رہا ہے اور صحابہ وتابعین کو باطل پرست اور جھوٹا کہہ رہا ہے۔ جب کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو گالی دینے اور ان کی توہین کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔

پوری امت کا جس پر اتفاق ہے اس کو غلط ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کررہا ہے معمولی طالب علم بھی سمجھ جائے گا کہ اس گمراہ وگمراہ گر نے قرآن کریم کی آیات کو اور حدیثوں کے غلط مفہوم کو پیش کر کے سیدھے سادھے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کتنی مکاری وعیاری سے کام لیا ہے۔ ہماری سیدھے سادھے بھولے بھالے عوام کو کیا معلوم کہ اس نے گمراہ کرنے کے لیے کون سا چور دروازہ اختیار کیا ہے۔ اب آیئے تین دن قربانی کی مشروعیت کا جائزہ لیں اور ناہنجار نام نہاد گمراہ وگمراہ گر سلفی کے پیش کردہ دلائل کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیں وباللہ التوفیق۔

قرآن مقدس، صحیح احادیث شریفہ اور آثار صحابہ میں تحقیق وتفتیش سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ قربانی صرف تین دن ہی ہے، چوتھے دن جانور کو ذبح کرنا یہ قربانی نہیں بلکہ خون بہانا اور

گوشت فراہم کرنا ہے۔ چار دن قربانی کے متعلق جتنی روایات پیش کی گئی ہیں وہ یا تو موضوع ہیں یا ضعیف ومطعون۔

تین دن کی قربانی کا ثبوت قرآن مجید سے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: **ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علیٰ مارزقھم من بھیمۃ الانعام.** (سورۂ حج، ۲۷)

اس آیت کی تفسیر میں جلیل القدر مشہور ومعتمد مفسر قرآن حضرت علامہ امام ابوبکر رازی الجصاص فرماتے ہیں: **لما ثبت ان النحر فیما یقع علیہ اسم الایام و کان اقل مایتناولہ اسم الایام ثلثۃ وجب ان یثبت الثلاثۃ وما زاد لم تقم علیہ الدلالۃ فلم یثبت.** (احکام القرآن، ج:۲،ص:۲۳۵)

جب یہ بات ثابت ہے کہ ایام معلومات سے ایام ذبح مراد ہیں اور لفظ ایام یہ جمع ہے اس کی کم سے کم مقدار تین دن ہے تو تین دن تو یقیناً ثابت ہوگئے اور تین دن سے زیادہ پر کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا وہ ثابت نہیں۔

مفسر قرآن حضرت امام ابوبکر رازی جصاص علیہ الرحمہ اس آیت سے قربانی کے تین دن ہونے پر یقین کے ساتھ فرمارہے ہیں اور فرماتے ہیں: کہ اس سے زیادہ پر کوئی دلیل نہیں کہ یہاں چار مانی جائے۔ مذکورہ تفسیر کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث پاک سے ہوتی ہے:

قربانی کے تین دن کا حدیث پاک سے ثبوت:

عن سلمۃ بن الاکوع قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحیٰ منکم فلا یصبحن بعد ثالثۃ وفی بیتہ منہ شئی (بخاری، ج:۲،ص:۲۳۵) سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی قربانی کرے اس کے پاس تیسری رات کے بعد قربانی کا گوشت نہ ہو۔

اس حدیث پاک میں صاف ظاہر ہے کہ حکمِ قربانی بھی تین دن ہے اور قربانی کا گوشت بھی تین دن ہی میں کھا کر ختم کردیں، باقی نہ رکھیں۔ لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا یعنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے متعلق جو منع وارد تھا، وہ منسوخ کرکے اب یہ حکم دیا گیا کہ

قربانی کا گوشت جتنے دن تک رکھنا یا کھانا چاہیں رکھ اور کھا سکتے ہیں۔مگر اس میں قربانی کرنے کے لیے جو تین دن ہیں اب بھی وہی حکم باقی ہے۔گوشت کھانے کی اجازت دی گئی تو اس کو اس سلفی نے یہ سمجھا کہ چار دن قربانی کی بھی اجازت دی گئی ہے۔اگر قربانی کا حکم اسی نسخ کے ساتھ شامل کریں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ پہلے کا حکم منسوخ کر کے گوشت کھانے یا رکھنے کی جو اجازت دی گئی وہ مطلق ہے کوئی قید نہیں۔چار دن یا پانچ دن جتنے دن کھانا چاہیں کھا سکتے ہیں۔مگر قربانی کے لیے تم چار ہی دن کیسے ثابت کر رہے ہو۔گوشت کھانے کے لیے دن کی کوئی قید نہیں تو پھر قربانی کے لیے بھی کوئی قید نہیں ہونی چاہیے، جتنے دن تک کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے۔حالانکہ یہ آیت کریمہ اور حدیث پاک کے مفہوم کے بالکل برخلاف ہے۔حدیث پاک میں تین دن کو خاص کرنا اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ قربانی تین دن تک ہی جائز ہے۔جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے تین دن قربانی پر استدلال پیش کیا۔

ماہرین حدیث کے نزدیک جو اصول مسلم ہیں انہیں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ کسی چیز کی مقدار صراحۃً حدیث سے ظاہر نہیں ہورہی ہے اور صحابہ کرام اس کی خبر دے رہے ہیں تو اس کو حدیث مرفوع کے حکم میں مانا جاتا ہے۔قربانی کے ایام کی مقدار تین دن یا چار دن ہے۔اسے ان سلفیوں نے اپنے قیاس سے متعین کیا ہے جب کہ اس کے متعلق صحابہ کرام کی خبر موجود ہے اور انہوں نے جو بھی خبر دی ہے وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خلیفۂ ثانی ہیں اور جن کی رائے عین قرآن پاک کے مطابق ہوتی ہے:

عن ماعز بن مالک الثقفی ان اباہ سمع عمر یقول انما النحر فی ھذہ الایام الثلٰثۃ. (مختصر الکرخی بحوالہ عنایہ، بنایہ، ج:۴،ص:۱۷۷،المحلی ابن حزم، ج:۷،ص:۳۷۷)

ماعز بن مالک ثقفی سے روایت ہے کہ ان کے والد نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ قربانی انھیں تین دنوں میں ہے۔

اس حدیث پاک میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے چوتھے دن نہیں۔خلیفۂ چہارم باب العلم حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ سنیے: **عن ابن ابی لیلیٰ عن المنھال بن عمرو عن زر عن علی قال النحر ثلاثۃ**

ایــام افـضـلهـا اولهـا. (عمدۃ القاری،شرح بخاری، ج:۲۱،ص:۱۴۸،محلی ابن حزم، ج:۷، ص:۳۷۷۔روح المعانی، ج:۱۷،ص:۱۴۵۔موطاامام مالک،ص:۱۸۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قربانی تین دن ہے اوران میں افضل پہلا دن ہے۔

حدیث مذکور پرجرح کا جواب:

اس حدیث پاک کے دو راوی حضرت ابن ابی لیلیٰ اور منہال بن عمرو کے متعلق صرف ابن حزم ظاہری نے اعتراض کیا ہے کہ ان کا حافظہ قوی نہیں تھا۔ دورِ حاضر کے نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدین اسی ابن حزم ظاہری کی تقلید کرتے ہوئے حدیث مذکور کوضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ وہ عقل کے اندھے ہیں، بغض وعناد میں ایسی بات کرتے ہیں۔ جب کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ وہ جلیل القدر محدث ہیں جن سے صحاحِ ستہ کے مصنفین نے روایت لی ہے۔ مثلاً امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی روایتوں کو ذکر کیا، اگر ان کے اندر وہ ضعف ہوتا تو یہ ائمۂ حدیث ان سے روایت ذکر نہ کرتے۔ نیز ان کے متعلق محدث جلیل حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زائدہ نے فرمایا کہ ابن ابی لیلیٰ اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ حضرت امام عجلی نے فرمایا کہ ابن ابی لیلیٰ فقیہ، عامل بالسنۃ اور انتہائی صدوق و جائز الحدیث ہیں۔ قرآنی علوم کے ماہر اور لوگوں میں حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹،ص:۳۰۲)

اور منہال بن عمرو کے بارے میں غیر مقلدوں کے پیشوا ابن حزم ظاہری نے جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت منہال بخاری شریف، نسائی شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ شریف کے رواۃ میں سے ہیں، یعنی ان اجلہ اماموں نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ جب کہ یہ کتابیں صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہیں اور امام جرح وتعدیل حضرت علامہ یحییٰ ابن معین اور امام نسائی نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ منہال بن عمرو ثقہ راوی ہیں اور امام ابوالحسن القطان نے فرمایا کہ امام عجلی اور یحییٰ ابن معین جیسے اکابر وجلیل القدر ماہرین حدیث نے جب ان کی توثیق فرمادی تو اب ابن حزم ظاہری جیسے غیر مقلد کی جرح کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

(تہذیب التہذیب، ج:۱۰،ص:۳۲۰)

صحابہ کرام کا اجماع:

سید المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ: **عن وکیع عن ابن ابی لیلی عن المنھال عن سعید بن جبیر عن ابن عباس النحر ثلاثة ایام.** (احکام القرآن، ج:۳،ص:۲۳۳۔محلی ابن حزم، ج:۷،ص:۳۷۷)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی تین دن ہے۔

اس حدیث میں صحابیِ رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بالکل صاف ظاہر ہے کہ قربانی تین ہی دن ہے۔اور ایک جلیل القدر صحابیِ رسول فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: **عن اسماعیل بن عیاش عن عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر الاضحیٰ یوم النحر ویومان بعده.** حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی عید اور اس کے دو دن بعد ہے۔یعنی ۱۲/۱۱/ذوالحجہ۔

(مؤطا امام مالک، ص:۱۸۸،محلی ابن حزم، ج:۷،ص:۳۷۷)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمان کے مطابق قربانی تین ہی دن ہے۔یعنی ۱۰/۱۱/۱۲/ذوالحجہ۔اگر چار دن ہوتی تو حضرت ابن عمر فرماتے: **وثلاثة ایام بعده.** یعنی عید کے بعد تین دن، حالاں کہ ایسا نہیں فرمایا بلکہ عید کے بعد دو دن کا ذکر فرمایا۔

اس حدیث کی سند میں بھی ابن حزم طاہری نے اعتراض کیا ہے کہ اسماعیل بن عیاش ضعیف ہیں، حالانکہ یہ اعتراض لغو ہے۔ کیوں کہ اسماعیل بن عیاش یہ ایسے محدث جلیل ہیں جن پر امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ کا اعتماد ہے اور مزید برآں جرح وتعدیل کے ایک مشہور امام حضرت یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش ثقہ اور عادل ہیں اور یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن عیاش جیسا قوی حافظہ والا نہ پایا۔(تہذیب التہذیب، ج:۴،ص:۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

عن یزید بن الحباب عن معاویة بن صالح حدثنی ابو مریم سمعت اباھریرة یقول الاضحیٰ ثلثة ایام. (محلی بن حزم، ج:۷،ص:۳۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قربانی تین دن ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابن حزم ظاہری غیر مقلد نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ معاویہ بن صالح قوی نہیں حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے، افترا ہے۔ اس لیے کہ معاویہ بن صالح وہ جلیل القدر محدث ہیں جن سے صحاح ستہ کے اکثر امام احادیث روایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام عجلی اور امام نسائی نے کہا یہ قوی الحافظہ وثقہ ہیں۔ ابن فراش نے کہا یہ صدوق ہیں۔ ابن حبان اور بزار نے کہا یہ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ اتنے ائمہ حضرت معاویہ بن صالح کو ثقہ اور قوی فرما رہے ہیں اور صحاح ستہ کے ائمہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے احادیث روایت کرر ہے ہیں مگر جس کی آنکھ پر تعصب وتنگ نظری کی عینک لگی ہو، وہ اپنے آگے کسی بھی صاحب فضیلت کے فضل وشرف کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہی معاملہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد کا ہے۔ بہر کیف اس حدیث کی سند میں معاویہ بن صالح معتمد ومعتبر ثقہ قوی ہیں، ان کی روایت بالکل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

ابن حزم ظاہری کا اعتراف:

اب ہم اس روایت کو پیش کرر ہے ہیں، جس پر ابن حزم ظاہری کو بھی اعتبار کرنا پڑا اور کہنا پڑا کہ حضرت انس ہی کی روایت بالکل صحیح ہے۔ تحریر کرتا ہے: **ولا یصح شئی من ھذا کله الا عن انس وحده.** (محلی ابن حزم، ج:۷، ص:۳۷۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

روایت حدیث کی ایک مشہور کتاب سنن بیہقی میں ہے: **عن وکیع عن شعبة عن قتادة عن انس قال الاضحیٰ یوم النحر ویومان بعده.** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قربانی عید کے دن اور اس کے بعد دو دن تک ہے۔

اگر غیر مقلدین کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح ہے، تو کم از کم اختلاف سے بچنے کے لیے حضرت انس ہی کا فتویٰ مان لینا چاہیے۔ جس پر ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا اور اسی کا قول فرمایا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چار دن کے متعلق جو جو روایتیں ملی ہیں ان کی چھان بین کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یا تو موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

چار دن قربانی کی دلیل اور اس کا رد بلیغ:

غیر مقلدین جو فقط گوشت کھانے کی ہوس میں اندھے ہو گئے، ان کو ایک حدیث مل گئی، جھٹ سے لے لیا، یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی سند میں کیسے کیسے راوی ہیں۔ وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں: **عن معاویۃ بن یحییٰ عن الزھری عن ابن المسیب عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایام التشریق کلھا ذبح.**

اس حدیث کی سند میں ماہرین حدیث حضرت امام نسائی اور حضرت علی بن مدینی اور یحییٰ بن معین کلام فرماتے ہیں کہ راوی معاویہ بن یحییٰ ضعیف ہیں۔ ان کی روایات کو قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک مشہور محدث علامہ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ''کتاب العلل'' میں بیان کیا کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔ (عمدۃ القاری، شرح بخاری، ج:۲۱ص:۱۴۸)

اور ایک مشہور محدث شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کئی علمائے حدیث نے اس پر جرح کی ہے مثلاً جوز جانی نے کہا: یہ ذاہب الحدیث ہے، ابوزرعہ نے کہا: یہ قوی نہیں، اس کی احادیث منکرہ ہیں۔ ابوحاتم نے کہا: یہ ضعیف ہے۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے کہا: یہ غیر ثقہ ہے۔ ابن حبان نے کہا: یہ اپنے وہم سے حدیث بیان کرتا تھا۔ ساجی نے کہا اس کی احادیث بہت ضعیف ہیں۔ اور امام بخاری نے ضعفا میں اسے شمار کیا ہے۔ زہری نے کہا: اس کی روایت منکرہ اور موضوعات کے مشابہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۱۰ص:۲۱۹۔۲۲۰)

یہ ہے معاویہ بن یحییٰ کی حالت، جس کو کتنے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس کی روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی اس کی روایات کو غیر مقلدین قبول کر رہے ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے ان بے وقوفوں پر کہ معمولات اہل سنت کے متعلق فضائل میں کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے، اگر اس میں کوئی ضعیف راوی ہے تو فوراً ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں اور انتہائی شدومد کے ساتھ اس کا رد کرتے ہیں مگر یہاں صرف گوشت زیادہ کھانے کے لیے ضعیف حدیث ہونے کے باوجود چار دن کی قربانی کو زبردستی رائج کرنے کی ناہنجار کوشش کر رہے ہیں۔ یہ دین کا مذاق اڑانا نہیں ہے تو کیا ہے؟ اپنی خواہش نفس اور اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے چاہے کتنے بھی ضعیف اور وضاع راوی ہوں ان کی روایت قبول کرتے ہیں اور ایمان اور فضائل اعمال سے متعلق بالخصوص

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں شان بیان ہوتی ہو وہیں پر ضعیف روایت کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یہی تو یہودیوں اور خارجیوں کا طرز عمل ہے۔

ایک اور حدیث جو یہ دلیل میں پیش کرتے ہیں اس کا بھی سرسری جائزہ لے لیں کہ یہ غیر مقلدین اس حدیث سے استدلال میں کس حد تک حق بہ جانب ہیں:

عن سوید بن عبد العزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن عبد الرحمن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : کل ایام التشریق ذبح. جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

اس حدیث کی سند میں بھی محدثین کو کلام ہے، اس کی سند میں ایک راوی سوید بن عبد العزیز جن کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ اور علامہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: **لیس بشی.** یہ کچھ بھی نہیں (یعنی قابل اعتبار نہیں۔) مزید فرمایا کہ ضعیف ہے اور احکام قربانی میں اس کی روایت جائز نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا سوید ابن عبد العزیز کی روایات منکرہ ہیں، حضرت یعقوب بن سفیان نے فرمایا یہ ضعیف ہے۔ حضرت امام دارمی نے فرمایا یہ حدیث میں غلط بیانی کرتا تھا۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ کثیر الغلط تھا۔ امام نسائی نے فرمایا یہ غیر ثقہ تھا۔ خلال نے کہا یہ ضعیف تھا۔ امام بزار نے کہا اس کا حافظ صحیح نہیں تھا۔ (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۲۷۷)

مذکورہ اقوالِ ائمہ ومحدثین سے سوید بن عبد العزیز کا ضعف اور اس کی روایت کا نا قابل اعتبار ہونا ثابت ہو چکا، اس کے باوجود بھی اگر اس روایت کو کوئی اخذ کرتا ہے میں سمجھتا ہوں وہ یا تو اصول حدیث سے ناواقف، نادان اور غافل ہے یا وہ جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے۔

مذکورہ روایت کے بارے میں حافظ علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام بزار نے اس کو اپنی مسند میں روایت کیا اور کہا کہ ابو حسین کی حضرت جبیر بن مطعم سے ملاقات ہی ثابت نہیں اور جب ان کی ملاقات ان سے ثابت نہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں تو لامحالہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (بنایہ علی الہدایہ، ج:۴، ص:۱۱۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل ابن حبان اور

بزار نے اس حدیث کو جبیر بن مطعم سے روایت کیا اور بزار نے کہا یہ حدیث منقطع ہے۔ امام دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث دو مختلف سندوں سے مروی ہے مگر دونوں میں ضعف ہے اور امام بیہقی نے اس کو ایک سند کے ساتھ روایت کیا مگر کہا کہ منقطع ہے۔ (درایہ علی الہدایہ ج:۲،ص:۲۴۶)

لہٰذا ان اکابر واجلہ محدثین کے اقوال سے یہ ظاہر ہے کہ سعید بن عبد العزیز کی یہ روایت نا قابل اعتبار ہے۔ پھر اس سے چار دن قربانی کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ تمام محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ احکام کو ثابت کرنے کے لیے ضعیف احادیث کا عتبار نہیں ہوتا، البتہ فضائل میں ان کا اعتبار ہوتا ہے۔

غیر مقلدین کا آخری حربہ:

نام نہاد سلفیوں کے ایک امام و پیشوا اور گرو گھنٹال ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب محلی میں ایک روایت پیش کی ہے اسی کی بنیاد پر یہ اچھل کود کرتے ہیں اور لوگوں کو چار دن تک قربانی کروا کے ان کی کھالیں وصول کرتے ہیں اور گھر بیٹھ کر دبا کے گوشت کھاتے ہیں اور بے چارے بھولے بھالے عوام کو گمراہ کرتے ہیں، وہ روایت یہ ہے: **عن عبد الله بن موسیٰ عن ابی ابی لیلیٰ عن الحکم عن عتبة عن مقسم عن ابن عباس قال الایام المعلومات یوم النحر و ثلاثة ایام بعده.** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایام معلومات عید اور اس کے بعد تین دن ہیں۔ (محلی ابن حزم، ج:۷، ص:۳۷۷)

اس روایت میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کا فتویٰ یہ پیش کیا گیا کہ قربانی چار دن ہے عید اور اس کے بعد تین دن۔ لیکن ہائے افسوس! اس ابن حزم پر اس سے قبل ایک روایت میں ابن ابی لیلیٰ پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ ضعیف ہیں۔ جب کہ اس روایت میں ابن ابی لیلیٰ نے حضرت منہال سے اور وہ حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، اسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ: **النحر ثلاثة ایام** ،قربانی تین دن ہے۔ اس روایت کو ابن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف قرار دے کر رد کرنے کی کوشش کی مگر اب اپنے چار دن کے ثبوت کے لیے انھیں ابن لیلیٰ کی روایت پیش کر رہا ہے، اگر تمہارے نزدیک ابن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں تو اس چار دن والی روایت میں وہ اچانک کیسے قوی ہو گئے۔ آخر اس کو ترجیح دینے کی کیا وجہ ہے؟

اگر بنظر انصاف و دیانت تحقیق کی جائے تو اس روایت میں ابی ابی لیلیٰ سے پہلے جو راوی ہیں یعنی عبید اللہ بن موسیٰ یہ تو اور زیادہ نا قابل اعتبار ہیں جیسا کہ اس کے متعلق حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے یہ لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا عبید اللہ بن موسیٰ احادیث میں خلط ملط کرتا تھا، اس نے بہت ساری غلط روایات اور نا قابل قبول روایات پیش کی ہیں، اس لیے وہ صاحب مناکیر مشہور تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے مکہ مکرمہ میں دیکھا اور چہرہ پھیر لیا اس سے ملاقات ہی کرنا گوارا نہ کیا۔ حضرت ابن سعد نے فرمایا کہ وہ شیعیت کو ثابت کرنے کے لیے رافضیوں کو خوش کرنے کے لیے منکر احادیث بیان کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اکثر اماموں نے اسے بالکل ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت ابو مسلم بغدادی نے کہا کہ عبید اللہ بن موسیٰ متروکین میں سے تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اس کے تشیع کی وجہ سے اس کی روایات کو ترک فرمادیا تھا۔ (تہذیب التہذیب، ج:۷، ص:۵۱ تا ۵۳)

اتنے اکابر ائمہ حدیث نے اس سند کے راوی عبید اللہ بن موسیٰ پر اس قدر جرح کی تو اس کی روایت کیسے قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ اس روایت کے نا قابل اعتبار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں اس نے حضرت ابن عباس کا قول ہی نقل کیا ہے جب کہ حضرت ابن عباس کا فتویٰ تین دن کی قربانی کے متعلق صراحۃً مذکور ہے۔ جس کو ابن ابی لیلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں کوئی ایسے ضعیف راوی بھی نہیں ہیں۔ قربانی کے تین دن ہونے کی غیر مجروح روایت کو چھوڑ کر چار دن کے لیے مجروح السند اور ضعیف نا قابل اعتبار روایت کو دلیل بنانا یہ ہٹ دھرمی اور تمام مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پھیلانے کی ناپاک کوشش ہے۔

ابھی تو ایک معاملہ قربانی کا آپ کے سامنے آیا کہ غیر مقلدین نام نہاد اہل حدیث وسلفیوں نے قرآن وحدیث کے صحیح مفہوم کو ردو بدل کر کے غلط مفہوم پیش کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ مگر اس کے علاوہ کتنے ایسے دینی معاملات ہیں جن کو ان ظالموں نے توڑ مروڑ کر باطل وناحق کو حق ثابت کرنے کی انتہائی مذموم وگھناؤنی حرکتیں کی ہیں اور پوری امت مسلمہ کا جس پر اجماع و اتفاق ہے اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کرنے کی یہ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں، مثلاً تراویح کی بیس رکعت نماز پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے تمام صحابۂ کرام، تابعین کرام

اور مجتہدین وفقہاے کرام اور تمام امت مسلمہ کا اتحاد واتفاق ہے اور آج بھی حرمین شریفین میں بھی بیس رکعت تراویح جماعت کے ساتھ ہوتی ہے مگر یہ نام نہاد اہل حدیث سلفی جماعت انبیاے کرام علیہم السلام اور اولیاے کرام کے گستاخوں نے اس کے خلاف آٹھ رکعت تراویح کو رواج دے رہے ہیں۔کیا یہ دین کا مذاق اڑانا اور امت میں اختلاف وانتشار پھیلانا نہیں ہے؟

اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کیا گیا۔اس پر تمام صحابہ وتابعین کا اتفاق ہوا اور پوری دنیا کے اہل سنت وجماعت اس پر متفق ہیں کہ عورتیں نماز کے لیے مسجد میں نہ آئیں،اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں۔مگر یہ ظالم اس متفقہ فیصلہ کے خلاف نیا راستہ نکال کر صرف اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کے لیے عورتوں اور کنواری لڑکیوں کو اپنی مسجدوں میں لانے کی مذموم حرکت کر رہے ہیں۔کیا دنیا والوں کو ان کی یہ ہٹ دھرمی اور بدتمیزی نظر نہیں آتی ہے پھر کس منہ سے انہیں اہل حدیث کہا جا رہا ہے،یہ تو اہل ہوا یعنی خواہش نفس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم وساء ت مصیرا۔** (سورۂ نساء،آیت:۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے حق راستہ اس پر کھول چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے،ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

لہٰذا یہ تمام مؤمنین کے خلاف دوسرا راستہ چلنے والے نفس اور شیطان کے پیروکار ہیں،یہ دین میں رخنہ ڈالنے والے امت میں فتنہ وانتشار پیدا کرنے والے گمراہ وگمراہ گر ہیں،ان کی کسی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔یہ دھوکہ باز مکار وعیار قوم ہے،ان سے بچو ان سے دور رہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **ایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا یفتنونکم.** ان سے دور رہو اور ان کو اپنے آپ سے دور کرو،کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں،کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔(مسلم شریف) اللہ عزوجل ہمیں حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

حضور شیخ اعظم قدس سرہ: ایک عظیم داعی اسلام

اللہ عزوجل کے محبوب دانائے خفایا وغیوب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کے بعد نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے تصدق آپ کی امت پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ اس نے اس امت کو ہر دور میں اپنے محبوبین ومقربین سے نوازا۔ یہ مقربین بارگاہ صبح قیامت تک اپنے روحانی وعرفانی برکات سے عالم کو فیض یاب فرماتے رہیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت سے دلوں کی تاریخ زمینوں کو منور ومجلیٰ کرتے رہیں گے۔انہیں کی شان بیان فرماتے ہوئے آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم سرور کائنات اروا حنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:''عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیل'' میری امت کے علماے ربانین بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں۔

خداوند قدوس جل جلالہ نے اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا: **یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتو العلم درجات**. اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔(سورۂ مجادلہ، آیت:۱۱)

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو علم وعمل کا سنگم ہوتے ہیں، جو امت کے لیے چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی حیاتِ مقدسہ شریعت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور امت کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے۔انہیں نفوس قدسیہ میں ایک ذات بابرکات حضور شیخ اعظم، مخدوم العلماء، سادات کچھوچھہ مقدسہ کے چشم وچراغ، گل گلزار اشرفیت، عالم اسرارِ شریعت، غواص بحر معرفت، سراپا خیر وبرکت، عارف باللہ، واصل الی اللہ، حضور مخدوم المشائخ کے سچے جانشین حضرت العلام سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی قدس سرہ القوی کی ہے۔جن کی نگاہِ معرفت نے ہزاروں گم گشتگان راہ کو راہ حق پر گامزن کردیا، لاکھوں فرزندان اسلام کے دلوں میں معرفت الٰہی وعشق رسول کی شمع روشن فرمائی۔دعوت دین کی راہ میں بے پناہ محنت ومشقت اٹھاتے ہوئے بہت ہی قلیل عرصے میں وہ

عظیم نمایاں کارنامے انجام دیے، جن سے امت مسلمہ رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔

یوں بھی حضور شیخ اعظم قدس سرہٗ کا تعلق اس عظیم خانوادہ سے ہے جو صدیوں سے پورے ملک ہندوستان میں اسلام کی مقدس کرنیں بھیر رہا ہے اور معرفت الٰہی کے گوہر لٹا رہا ہے، جس کے احسانات کے بار سے مسلمانِ ہند کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتے۔جس کے روح رواں قافلہ سالار حضور غوث العالم محبوب یزدانی سلطان سید محمد اشرف جہانگیر مخدوم سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کا آستانۂ مبارکہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔اسی مقدس خانوادہ کے ایک عظیم سپوت حضور شیخ اعظم مخدوم العلماء بھی ہیں۔جو ایک طرف جید باصلاحیت عالم بھی تھے،تو دوسری طرف پیر طریقت بھی تھے،مگر آپ نے پیری مریدی کو اپنا پیشہ یا ذریعۂ معاش نہیں بنایا، بلکہ دعوت دین اور احیاے سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کا ذریعہ بنایا۔اپنے وقت کے ایک بہترین داعیِ اسلام اور قوم کے رہبر تھے،جن کے اندر خدمت دین کا جذبۂ بیکراں موجزن تھا۔جس کا واضح وبین ثبوت آپ کے وہ عظیم کارنامے ہیں جو آج داعیانِ اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔کم سنی ہی میں تشنگانِ علوم دینیہ کے لیے ''جامع اشرف'' جیسے عظیم دینی قلعے کا منصوبہ بنانا، پھر اس کے لیے انتہائی جانفشانی اور ہر طرح کی قربانی پیش کرنا اور امت مسلمہ کو علم کی شاہراہ پر گامزن کرنے اور دینی معلومات واکتشافات میں دلچسپی پیدا کرکے اسے اوج ثریا کی بلندی پر پہنچانے کے لیے ایک عظیم الشان لائبریری قائم کرنا، مسلسل تبلیغی دورے فرما کر قوم وملت کی اصلاح کی بھرپور کوشش کرنا، یہ آپ کے حقیقی وارث انبیا اور ایک مخلص داعیِ اسلام ہونے کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔ایک مخلص مبلغ اسلام اور داعیِ دین کے اندر جو اوصاف وخصوصیات پائے جاتے ہیں، وہ آپ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔آپ انتہائی رحم دل، نرم خو، سخی اور متواضع تھے مگر دین اور شریعت کے معاملہ میں سخت بے باک اور حق گو تھے۔قلندرِ لاہوری ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک بہترین داعیِ اسلام کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ بلاخوف لومۃ لائم حق گوئی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ایک مرتبہ ایک ٹیلر کی دکان کے افتتاح کے موقع پر آپ مدعو تھے، بہ غرض دعا آپ کو لایا گیا۔مگر

افتتاح کی رسم عیسائیوں کے طرز پر تھی یعنی ربن کاٹنا۔حضرت نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، بعد میں اصلاح کی کوشش فرمائی۔اس موقع پر ایک شخص نے مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کا نعرہ بلند کیا، اس وقت آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا:''یہاں ایک ناپسندیدہ کام ہورہا ہے جس کو میں خود بھی ناپسند کرتا ہوں اس فضول کام پر آپ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگارہے ہو، کیا یہی مسلک اعلیٰ حضرت ہے؟''۔

ایک پیر کی حیثیت درحقیقت ایک داعیِ اسلام اور مبلغ اسلام کی ہوتی ہے مگر اکثر پیر اہل ثروت ارباب اقتدار کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے ،(الا ماشاءاللہ) جس کی وجہ سے پورا معاشرہ اسلام سے نفرت وبیزاری اور بے راہ روی کا شکار ہوجاتا ہے، لیکن حضور شیخ اعظم قدس سرہ نے اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اہل ثروت وارباب اقتدار کی بھی اصلاح فرمائی ہے، بلکہ اکثر اصحاب ثروت واقتدار کو آپ نے دینی کاموں کی طرف گامزن کردیا، جو دینی اداروں کے قیام وانتظام اور دینی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور طباعت واشاعت کی خدمات میں مصروف ہیں۔حضور شیخ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت بہ حیثیت ایک مخلص ومربی داعیِ اسلام کے باکمال نظر آتی ہے، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ دورحاضر کے علماے کرام کا ایک جم غفیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہے۔جب کہ کوئی عالم دین بیعت وارادت کے لیے اگر کسی کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اس کے ایمان وعقیدے اور شریعت کے معاملے میں پرکھ کر، کچھ کمالات دیکھ کر ہی رجوع کرتا ہے۔جنہوں نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ آپ نیک نیتی، خلوص سچائی، علم دوستی جیسے اعلیٰ اخلاق وکرداراور پاکیزہ خیال کے مالک تھے۔جن کا دل محبت الٰہی کے چشمہ سے سیراب تھا، جو دین کی راہ میں سراپا ایثار تھے۔آپ نے اپنی جان ومال راحت وآرام الغرض ہر چیز کا اللہ عزوجل سے سودا کرلیا تھا۔جن کے حیات آفریں پیغام نے سیکڑوں علماے کرام کے اندر خدمت دین اور مخلصانہ دعوت کا عظیم جذبہ پیدا کردیا۔آج اسلام کی نشرواشاعت اور تبلیغ دین کے لیے ایسے ہی داعیِ اسلام اور رہبر ورہنما کی ضرورت ہے جن کی مساعیِ جمیلہ سے گلشنِ اسلام بارونق ہوسکے۔بہ قول شاعر:

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

☆☆☆

ہمارا باہمی اختلاف کیسے دور ہو؟

باسمہ تعالیٰ و تقدس
حامداً و مصلیاً و مسلماً

آج ہر ایک دردمند مسلمان کے دل سے دل ہلا دینے والی صدا بلند ہو رہی ہے کہ آج جماعت اہل سنت زبردست انتشار سے دوچار ہے، باہمی اختلافات ورسہ کشی کی ایسی مسموم فضا پھیلی ہے کہ ہمارے اکابر مشائخ کرام وعلماے کرام کا احترام دلوں سے اٹھتا چلا جارہا ہے، نفرت و بیزاری کا خطرناک ماحول عام ہوتا جارہا ہے۔ جس کا سب سے خطرناک نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ ہمارے مقدس دین وشریعت مطہرہ کی وہ مضبوط و مستحکم بنیادیں جن پر ہمارے اور اسلام مخالف باطل جماعتوں کے درمیان حقیقی اختلاف ہے جو ہمارے دین کا تقاضہ بھی ہے، یعنی کفر وشرک، گمراہیت و بدعقیدگی سے دوری ونفرت، ان پر باطل جماعتوں کو شب خون مارنے اور عوام مسلمین کی نظروں میں ان کی اہمیت گھٹانے بلکہ یکسر ختم کرنے کا موقع فراہم ہو رہا ہے۔ بایں طور کہ ان باطل جماعتوں نے تحفظ اہل سنت وعظمت صحابہ کانفرنس منعقد کر کے عوام کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ حقیقی اہل سنت تو ہم ہیں، سنت رسول اللہ وسنت صحابہ پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے تو ہم ہیں اور موجودہ جماعت اہل سنت جو بریلوی سے مشہور ہیں انہوں نے یا ان کے اکابر نے ہمارے اکابر علما سے اختلاف کیا ہے تو وہ کوئی بنیادی اور حقیقی اختلاف نہیں تھا بلکہ ان کا اختلاف ہمارے اکابر سے بس ایسے ہی تھا جیسے یہ آج اپنے آپس میں ایک دوسرے کے دست بگریباں ہیں، ایک دوسرے کی تذلیل وتفسیق اور تکفیر کر رہے ہیں۔ اور عوام کالانعام ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو صحیح سمجھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کچھ تعلیم یافتہ سنی عوام بدمذہبوں کے رد کو سننا گوارا نہیں کر رہے ہیں۔ اسی لیے آج ہمیں اپنی جماعت کی اصلاح کا انداز بدلنا ہوگا، کوئی احسن طریقہ اپنانا ہوگا، جس کے ذریعہ اپنی جماعت سے منسلک افراد کی اصلاح بھی ہو اور جماعت کا وقار بھی برقرار رہے۔

جماعتی سطح پر ایک اور بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے درمیان کے فروعی اختلافات آج کافی عروج پا چکے ہیں کہ ذاتیات پر حملے ہو رہے ہیں، ایک دوسرے کے عیوب ونقائص کو منظر عام پر لاکر ذلیل ورسوا کرنے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے، تحریر وتقریر جو اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی نشر واشاعت کا بہترین اور موثر ذریعہ تھے آج ان کے ذریعے ایک مومن بلکہ عالم اہل سنت کی تذلیل وتفسیق وتحقیر کی جا رہی ہے۔

ہمارے دینی جلسے اور وہ اسٹیج جنہیں ہم ممبر رسول کہتے ہیں جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں عقائد اہل سنت کی نشر واشاعت اور عوام مسلمین کی اصلاح کے لیے ہوا کرتے ہیں آج وہی اسٹیج (الا ماشاء اللہ) آپس میں ایک دوسرے کی تذلیل وتحقیر اور ہجو بیانی کے اڈے بن چکے ہیں، جس کے سبب عوام مسلمین علما سے بدظن اور متنفر ہوتی چلی جا رہے ہیں،، دین سے دوری بڑھ رہی ہے اور جماعت کا وقار پامال ہو رہا ہے۔ جب کہ ہمارا یہ کردار وسلوک کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بالکل درست نہیں بلکہ ناجائز وحرام ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: **یا ایھاالذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم.** اے ایمان والو! نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسے والوں سے بہتر ہوں۔ **ولانساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن. ولاتلمزواانفسکم.** اور نہ عورتیں عورتوں سے ،دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ کرو، **ولاتنابزوابالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان.** اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا۔ **ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون.** وہ جو توبہ نہ کرے وہی ظالم ہیں۔ (سورہ حجرات آیت نمبر:۱۱، پارہ:۲۶، رکوع:۱۴)

ان آیات کریمہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ اس سے بہتر ہو سکتا ہے جس کا مذاق اڑایا گیا۔ اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنے سے بھی منع فرمایا گیا اور کسی کو برے نام سے پکارنا یا دوسروں کے سامنے کسی کو ذلیل کرنے کی غرض سے کوئی برا نام ذکر کرنا سخت منع ہے، کیوں کہ یہی ایذا کا سبب ہے، اور مسلمان کو ایذا دینے کے متعلق اللہ کے رسول ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مــــن

اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذاالله. جس نے کسی مسلمان کوایذادی (دل آزاری کی) اس نے گویا مجھے ایذادی اورجس نے مجھے ایذادی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کوایذادی۔

افسوس صدافسوس آج اللہ عزوجل اوراس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان رکھنے والے ہی باہمی اختلافات میں اس قدرتجاوزکرچکے ہیں کہ ایک دوسرے کی ایذارسانی میں مبتلا ہوگئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بھی فرمان موجودہے: یٰا ایھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم کٰفرین. اے ایمان والو! اگرتم کچھ کتابیوں کے کہے پرچلے تووہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافرکرچھوڑیں گے۔

(سورہ اٰل عمران، آیت: ۱۰۰)

اس آیہ کریمہ کا شان نزول ملاحظہ فرمائیں، حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تفسیرخزائن العرفان میں یہ ذکرفرماتے ہیں:

"اوس وخزرج کے قبیلوں میں پہلے بڑی عداوت تھی اورمدتوں ان کے درمیان جنگ جاری رہی، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان قبیلوں کے لوگ اسلام لاکرباہم شیروشکرہوئے۔ ایک روزوہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے انس ومحبت کی باتیں کررہے تھے، شاس بن قیس یہودی جوبڑا دشمن اسلام تھااس طرف سے گذرااوران کے باہمی روابط دیکھ کرجل گیااورکہنے لگا کہ جب یہ لوگ آپس میں مل گئے توہمارا کیا ٹھکانہ ہے، ایک جوان کومقررکیا کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کران کی پچھلی لڑائیوں کا ذکرچھیڑے اوراس زمانہ میں ہرایک قبیلہ جواپنی مدح اوردوسروں کی حقارت کے اشعار لکھتا تھا، پڑھے۔ چناں چہ اس یہودی نے ایسا ہی کیا اوراس کی شرانگیزی سے دونوں قبیلوں کے لوگ طیش میں آگئے اورہتھیاراٹھالئے، قریب تھا کہ خون ریزی ہوجائے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبرپاکرمہاجرین کے ساتھ تشریف لائے اورفرمایا کہ اے جماعت اہل اسلام! یہ کیا جاہلیت کے حرکات ہیں، میں تمہارے درمیان ہوں، اللہ تعالیٰ نے تم کواسلام کی عزت دی، جاہلیت کی بلا سے نجات دی، تمہارے درمیان الفت ومحبت ڈالی، تم پھرزمانہ کفرکی حالت کی طرف لوٹتے ہو۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادنے ان کے دلوں پراثرکیا اورانہوں نے سمجھا کہ یہ شیطان کا فریب اوردشمن کا مکرتھا، انہوں نے ہاتھوں سے ہتھیارپھینک دیے اورروتے ہوئے ایک دوسرے

سے لپٹ گئے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرمانبردارانہ چلے آئے۔ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔''

مذکورہ آیہ کریمہ میں یہود و نصاری کے کردار و عمل سے پرہیز کی دعوت دی گئی کہ ان کی طرح تم آپس میں اختلاف نہ کرو۔جس کی وجہ سے ان کے اندر ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل اور قتل و غارت گری کا ماحول تھا۔مگر افسوس صد افسوس آج کے یہود و نصاری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکے ہیں مگر ہم مسلمانان اہل سنت آپس میں اختلاف و انتشار کا شکار ہیں۔جب کہ ایک طرف ہمارے پاس کتاب اللہ اپنی حقیقی شکل میں یعنی غیر محرّف موجود ہے تو دوسری طرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم روشنی بھی ہے۔ایک طرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کی اعلیٰ اخلاقی قدریں موجود ہیں تو دوسری طرف بے شمار اولیاے کرام رحمھم اللہ کی حیات طیبہ کے تابندہ نقوش بھی ہیں۔جس قوم کے پاس اتنا عظیم سرمایہ ہو اور پھر بھی وہ اختلاف و انتشار اور ناکامی و تنزلی کا شکار ہے اس سے بڑا المیہ کیا ہو سکتا ہے؟

جائز اختلاف:

مگر کون سا اصولی اختلاف جو ایمان کی تکمیل اور مضبوطی کے لیے بے انتہا ضروری ہے، وہ ہے تمام بد مذہبوں سے اختلاف و نفرت، یہ صرف جائز نہیں بلکہ ضروری ہے۔ورنہ مداہنت فی الدین اور صلح کلیت کا دروازہ کھل جائے گا۔مگر فروعی مسائل میں اختلاف میں اتنی شدت اختیار کرنا کہ ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کر کے باہمی منافرت اور جاہلانہ تعصب پیدا کرنا یہ بالکل سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ کے خلاف ہے۔بلکہ اللہ عزوجل اور اس کے حبیب کی ناراضی کا سبب ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **بشروا و لاتنفروا،یسروا ولاتعسروا** (بخاری شریف جلد اول کتاب الایمان)

خوش خبری دو،نفرت نہ دلاؤ،آسانی پیدا کرو،دشواری پیدا نہ کرو۔

اس حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے سے سخت منع فرمایا کہ جس کی وجہ سے لوگوں میں دین سے نفرت و بیزاری پیدا ہو جائے۔

دور حاضر میں امت مسلمہ کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ یہ بھی ہے کہ آپس میں ہجو گوئی سے پرہیز نہیں

ہو پارہا ہے۔جس کے سبب پوری جماعت اہل سنت کے درمیان نفرت و بیزاری کی ایک وسیع خلیج پیدا ہو چکی ہے ۔ جب کہ آقائے کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا پیارا ارشاد موجود ہے ،ارشادفرماتے ہیں: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده . کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس حدیث پاک کا پس منظر یہ ہے کہ اس وقت کچھ لوگ اپنے اشعار کے ذریعہ ایک دوسرے کی ہجو کرتے اس کی برائی بیان کرتے خاندان یا نسب یا آبرو پر حملے کرتے اسی سبب سے آپس میں لڑائی جھگڑے ہوتے قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوتا۔اسی لیے رؤف ورحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں پر رحم وکرم فرماتے ہوئے ایسی نا زیبا حرکتوں پر پابندی عائد فرمادی اور اس پر وعید کا ذکر فرماتے ہوئے بایں طور ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ رہیں وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہی نہیں۔

آج ہم پوری دنیا میں اہل سنت و جماعت سے مشہور ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلنے والے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے ماننے والے ہیں ۔مگر انتہائی افسوس ناک اور شرمناک بات ہے کہ ہم فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی بجائے نفس اور شیطان کی پیروی میں لگ جاتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جب کوئی ہمارے متعلق کوئی بات کہہ دیتا ہے جو ہمیں نا گوار ہے تو جوش انتقام میں اس کا ردعمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ پھر دین وشریعت کیا، انسانیت کی حدود کو بھی پار کر جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے اور ہمارا یہ عمل ہمارے دعویٰ محبت کی تکذیب کرتا ہے اور اس کا انجام شرمندگی و ندامت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اختلاف مذکور کے سدباب کے لیے لائحہ عمل:

ہمارے اندر ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دیتے ہیں، اس کمزوری کو دور کرنا بے حد ضروری ہے کیوں کہ ہر سنی ہوئی بات اکثر صحیح نہیں ہوتی اس پر فوراً ردعمل باعث ندامت ہوسکتا ہے۔اسی لیے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع. انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی

بات کو بیان کرے۔ آج ہمارے اکثر علما و مشائخ کے قریب بیٹھنے والوں میں کچھ وہ ہوتے ہیں جو چغل خوری کا کام انجام دیتے ہیں، وہ صرف اپنی سرخروئی یا اپنے حضرت کو خوش کرنے کے لیے ادھر کی ادھر کرتے ہیں۔ مگر حضرت صاحب بھی بڑے شوق سے غیبت بھی سن رہے ہوتے ہیں اور چغلی بھی۔ اگر وہ چغل خور یہ دیکھ لیتا ہے کہ میرے اس بیان سے حضرت خوش ہو رہے ہیں تو باتیں اور بڑھا چڑھا کر بتانے لگتا ہے یعنی بہتان سے بھی باز نہیں آتا اور حضرت ہیں کہ خاموش تماشائی بن بیٹھے ہیں۔ ایسے موقع پر ہمیں چاہیے کہ فوری طور پر اس کی زبان بند کر دیں اور غیبت و چغلی کی وعیدیں انہیں سنا کر سخت پابندی عائد کر دیں کہ ہمارے پاس کسی کی غیبت یا چغلی آئندہ نہیں کرنا اور اگر ہم نے ایسا کر دیا تو اس مرید کو اتنی جرات نہیں ہوگی کہ آئندہ کسی کی چغلی کھائے۔

اور اگر بتانے والا کسی کی کوئی ایسی بات بتا رہا ہے جس کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچے گا تو شرعاً اس کا روکنا ضروری ہے، اس لیے پہلے اس بات کی پوری تحقیق کر لی جائے کہ جو بات جس کے متعلق بتا رہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، ورنہ اکثر لوگ اپنے ذاتی مخاصمت کے سبب کسی کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے ہیں، جب تحقیق کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے بہتان ہے۔ اور اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے تو جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے صاحب معاملہ کو بلا کر یا ان سے کسی طرح ملاقات کر کے مفاہمت کر لی جائے یا اصلاح کی کوئی بہترین و مؤثر صورت اختیار کی جائے۔

کسی بھی سنی صحیح العقیدہ کے متعلق بدگمانی نہ کی جائے، نیک گمان رکھنا چاہیئے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظنوا المؤمنین خیراً. مومنوں کے بارے میں نیک گمان رکھو۔

ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر دین وسنیت کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش کریں۔ علاقائی تعصب، طریقتی تعصب، ذات و برادری کا تعصب آج ہماری جماعت کو دیمک کی طرح کھا رہا ہے۔ اپنے دلوں کو ہر قسم کے تعصب سے پاک کر کے خالص اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض پر عمل کیا جائے جو کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں معیار محبت و عداوت ہے، ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تمام غلامان مصطفیٰ کے لیے آپسی اختلافات کو دور کرنے کے لیے ایک بہترین و مئوثر لائحہ عمل ہے۔

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں: صل من قطعک ،واعف عمن ظلمک ، واحسن الی من اساء الیک .(او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)جوتم سے رشتہ توڑے تم اس سے رشتہ جوڑ واور جوتم پرظلم کرے اسے تم معاف کردواور جوتمہارے ساتھ برا سلوک کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

یہ کتنا جامع دستور محبت ہے اور خود ہمارے آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور عملی زندگی اس پر شاہد ہے کہ بڑے بڑے ظالموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کردیا۔آپ کو ستانے والے ، راستے میں کانٹے بچھانے والے، گالیاں دینے والے اور آپ کا سوشل بائیکاٹ کرنے والے سب کو آپ نے معاف کردیا، فتح مکہ کے موقع پر آپ نے یہ اعلان فرمادیا کہ آج کسی سے کوئی بدلا نہ لیا جائے گا۔یہی وہ عمدہ واعلی اخلاق کریمانہ ہیں جن کے سبب اسلام پوری دنیا میں پھیلتا جارہا ہے۔اورآپ کے جاں نثار صحابہ کرام پر آپ کی زندگی کی ایسی چھاپ پڑ گئی تھی کہ ان کے کردار کی تعریف اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں بیان فرمائی: محمد رسول اللہ والذین معہ اشد اء علی الکفار رحماء بینھم. محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور وہ جوآپ کے ساتھ ہیں کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بہت ہی رحم دل ہیں۔

آج ہماری جماعت کے تمام افراد ”رحماء بینھم“ کی اعلی تفسیر کا ہونا بے حد ضروری ہے، آپس میں ہمیشہ حلم وبردباری کا مظاہرہ کرتے رہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین کے درمیان خلافت کے معاملہ میں یا شرعی فیصلوں کے معاملہ میں اگر کوئی اختلاف ہوتا بھی تو وہ اجتہاد کی بنیاد پر ہوتا،اس کو وہ اپنی ذاتی چپقلش کا سبب نہ بناتے ۔نہ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کی تضحیک وتذلیل کرتے بلکہ کثرت رائے پر عمل کرتے یا جس علاقے کے لوگوں کو جن کے فتوی پر زیادہ اعتماد ہوتا اس پر وہ عمل کرلیتے ، کیوں کہ یہاں اپنے نفس کا دخل نہیں ہے بلکہ اللہ عزوجل کی رضا مطلوب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ کے کچھ لوگوں نے استفتا کیا کہ ایک عورت جس نے ارکان حج تو ادا کرلیا طواف وداع نہ کرسکی ،اب اس کو حیض آگیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔وہ اسی حالت میں طواف کرے یا بغیر طواف جاسکتی ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فتوی دیا کہ وہ بغیر طواف کیے گھر جا سکتی ہے۔اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ فتوی تھا کہ وہ پاک ہونے تک رکی رہے، جب پاک ہو جائے تو طواف وداع کر کے گھر جائے۔

مدینہ والوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے فتوی کو ترجیح دی اور کہا ہم آپ کے قول کو چھوڑ دیں گے، زید بن ثابت کے قول کو تسلیم کریں گے۔

یہاں پر ان حضرات نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے فتوی پر عمل کو ترجیح دی مگر کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فتوی کا کوئی مذاق نہ اڑایا، نہ ان کی تضحیک کی۔ان کا فتوی ان کے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا اور حضرت زید کا فتوی ان کے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا، جس پر زیادہ اعتماد ہوتا اس پر عمل کر لیا جاتا۔آج بھی اگر ہمارے تمام علما وعوام کسی مسئلہ شرعیہ میں کسی سنی صحیح العقیدہ مفتی کے کسی فتوی کا مذاق نہ اڑائیں، نہ ان کی تضحیک و تذلیل کریں جب کہ وہ بھی تحقیق پر مبنی ہو تو یقیناً ہمارے درمیان اتحاد برقرار ہو سکتا ہے اور تمام اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔پھر اپنے اس مضبوط اتحاد کے ذریعے ہم باطل جماعتوں کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

اللہ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے میں ہم تمام سنیوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا فرمادے، دین وسنیت کے فروغ کے لیے ہمارے درمیان اتحاد واتفاق قائم فرمادے۔آمین

● ●

اہم گزارش

احیائے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی

جہاں تعلیم، تبلیغ اور تربیت کے ذریعہ قوم کی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے وہیں الحمدللہ! اصلاح عقائد و اعمال کے موضوع پر کتابوں کو شائع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو دینی بنانے اور سینوں کو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے جگمگانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

اب تک مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں اردو، ہندی، انگلش اور گجراتی میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد گناہوں سے نفرت اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آج کے دور میں دینی کتابوں کو لوگوں تک پہنچا کر ان کی دنیا و آخرت سنوارنا بہت بڑا نیک کام ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے اور فروغ دین وسنیت کے لیے ادارہ معارف اسلامی اور مکتبہ طیبہ کی شائع کردہ کتابوں کو خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں، ان شاء اللہ دارین میں اس کا فائدہ میسر ہوگا اور مرحومین کو ان شاء اللہ جنت نصیب ہوگی۔

نوری قافلے : ہر ماہ کم از کم ایک یا تین روز کے لیے نوری قافلے میں نکلیں، ان شاء اللہ دل کو سکون حاصل ہوگا، پریشانیاں دور ہوں گی اور برکتیں میسر ہوں گی۔

ہفتہ واری اجتماع : ہر سنیچر بعد نماز عشا مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کے ہفتہ واری اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں، دینی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آپ کا سینہ محبت رسول کا مدینہ بنے گا۔ ان شاء اللہ!

اپنے ساتھ کم از کم تین احباب کو ضرور لائیں اور بے شمار نیکیاں کمائیں۔

کتابوں کیلئے رابطہ نمبر 9819628034 قافلہ کیلئے رابطہ نمبر 9892509900

Published by:

MAKTABA-E-TAIBAH

Markaz Ismail Habib Masjid, 126, Kambekar St, Mumbai-3